رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یأمرون بالمعروف و ینہون عن المنکر و اولٰئک ہم المفلحون

رسالہ

اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین (بی۔ اے۔ ایل ایل بی) و مولوی صدر الدین (بی۔ اے۔ بی ٹی)

جلد (۱) | بابت ماہ اکتوبر ۱۹۱۵ء | نمبر (۱۰)

فہرست مضامین

ماخوذ از اسلامک ریویو و مسلم انڈیا ماہ ستمبر ۱۹۱۵ء

(۱) شذرات ۴۳۹ + (۲) ملک معظم کی ہندوستانی رعایا انگلستان میں ۴۴۱ + (۳) مذہب میں نظرت کا رنگ ۴۴۴ + (۴) صدائے اسلام پر مختلف آوازیں ۴۴۹ + (۵) اسلام میں انصاف ۴۵۶ + (۶) ایک اور پہاڑی پر وعظ ۴۶۰ + (۷) معاہدات کے متعلق اسلامی تعلیم ۴۶۳ + (۸) اسلام ۴۶۸ + (۹) ماخوذ از اسلامک ریویو ماہ مئی ۱۹۱۲ء ۴۷۷ + (۱۰) اسلام کیا کچھ کر سکتا ہے ۴۷۹ + (۱۱) مہر ۴۸۲ + (۱۲) پادری صاحبان کے لیے حل طلب ۴۸۵ -

[illegible] ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۱۵ء کو خلیفہ رجب الدین صاحب کے اہتمام سے اسلامیہ سٹیم پریس [illegible]

قیمت سالانہ تین ۳ روپے

وی پی وصول کنندگان احباب امور ذیل پر توجہ فرمائیں

یوں تو وی پی ہمیشہ فرمائش پر ہی جاری ہوتا ہے۔ لیکن وصولی پر جو کوپن ہمیں ڈاکخانہ سے واپس ملتا ہے۔ وہ بعض وقت محفوظ نہیں ہوتا۔ اس لیئے وی پی کنندہ کا پتہ ٹھیک نہ پڑھا جانے پر آیندہ رسالہ جاری رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہمارے پاس پہلی فرمائش تو ہوتی ہے۔ لیکن بہت سے وی پی میں سے خاص تعین مشکل ہوتی ہے۔ اس لیئے التماس ہے کہ ہر صاحب وی پی وصول کنندہ وی پی پیکٹ کی وصولی پر از سر نو ایک کارڈ پر اپنا پتہ خوشخط بھیجدیں۔ اور وصولی پیکٹ کا حوالہ دیں

منیجر اشاعت اسلام احمدیہ بلڈنگس عزیز منزل۔ نولکھا۔ لاہور

رسالہ اشاعت اسلام کے اغراض و مقاصد

اس رسالہ کی غرض و غایت بلاد غربیہ میں اشاعت اسلام کو مضبوط کرنا ہے۔ اسکا سارا منافع اس ہی کام پر خرچ ہوتا ہے۔ اس کی خریداری کے بڑھنے سے ذیل کے امور مرتب ہونگے:- (۱) اس سے ایک اعلےٰ پایہ کا اسلامی لٹریچر پیدا ہوگا جسکو انگلش پریس نے اسلام کی ایک طاقت تسلیم کیا ہے۔ (۲) اخراجات اشاعت اسلام میں سہولت ہو جاوے گی۔ (۳) منتظمین اسلامک ریویو انگریزی مجریہ لنڈن کو موجودہ سے زیادہ تعداد میں انگریزی رسالہ مفت بلاد غربیہ میں تقسیم کرنے کا موقع ملے گا۔ اور اس طرح یہ اعلےٰ مقصد پورا ہو جاویگا۔ جس کے لیئے یہ رسالہ شائع کیا گیا ہے۔

نوٹ۔ اردو رسالہ کا سالانہ چندہ مبلغ ۳؎ ہے۔ تمام درخواستیں خریداری بنام منیجر اشاعت اسلام عزیز منزل۔ نولکھا۔ لاہور آنی چاہئیں ؀

(منیجر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

ترجمہ اردو اسلامک ریویو و مسلم انڈیا مجریہ لنڈن

جلد (۱) بابت ماہ اکتوبر ۱۹۱۵ء نمبر (۱۰)

شذرات

الحمد للہ کہ ماہ اگست ۱۵ء میں انگلستانی نومسلموں کی تعداد میں سات کا اضافہ ہوا جن میں سے تین کے متعلق گذشتہ رسالے میں بھی لکھا جا چکا ہے۔ ان سات صاحب میں سے پانچ خواتین ہیں اور دو مرد ہیں جن میں سے ایک مسٹر ڈڈلے رایٹ ایک مشہور اخبار نویس ہیں اور دوسرے لفٹنٹ بیرے گفرڈ ہیں۔ ان کے اسمائے سابق اور نئے اسماء کی فہرست ذیل میں درج ہے۔

نمبر شمار	پہلا نام	اسلامی نام	کہاں اسلام قبول کیا
۱	مسٹر ڈڈلے رایٹ	محمد صادق	مسجد ووکنگ
۲	لفٹنٹ بیری گفرد	اسد اللہ خان	لنڈن (بروز جمعہ)
۳		عائشہ خانم	بذریعہ خط اسٹریلیسے۔

نمبر شمار	پہلا نام	اسلامی نام	کہاں اسلام قبول کیا
۴		ایمنہ	لنڈن
۵	مس سمتھ	فاطمہ	مسجد ووکنگ
۶	مس رابرٹسن پرلی	زہرہ	،،
۷	مس سکاٹ	زبیدہ	،،

ہم یقین رکھتے ہیں کہ جوں جوں اسلامی مشن کا دائرہ انگلستان اور دیگر ممالک یورپ میں وسیع ہوتا جائے گا۔ نومسلموں کی تعداد میں بہت زیادہ ترقی ہوگی سردست مالی مشکلات کی وجہ سے کام بہت محدود ہے۔ اگر خدائے تعالےٰ ہمارے امراء کے دلوں میں یہ بات ڈالے تو مشن کا سارا موجودہ خرچ ہمارے امراء میں سے ایک ایک بھی دے سکتا ہے۔ متوسط الحال لوگ بھی رسالہ کی اشاعت کے بڑھانے اور اپنی کمائی میں سے کچھ حصہ اس اسلامی مشن کی امداد میں دے کر اس ثواب میں حصہ لے سکتے ہیں۔ عیسائی مذہب کے سینکڑوں مشن صرف چندوں کی بنا پر چلتے ہیں مسلمانوں کی حمیت اسلامی پر افسوس بھی آتا ہے اور تعجب بھی۔ کہ ایک اسلامی مشن کو قائم ہوئے اب تیسرا سال جاتا ہے۔ نتائج بھی اعلا سے اعلےٰ دیکھ لیئے ہیں۔ پھر بھی دلوں میں وہ درد پیدا نہیں ہوتا۔ کہ ابھی ایک مشن کو ہی مستحکم کریں۔ مسلمانوں کی زکوٰۃ کا زر قربانی کی کھالوں کی قیمت اور بہت سی قسم کی رقوم جو خیراتی کاموں میں دیجاتی ہیں۔ ان کا سب سے بڑھ کر حقدار اس وقت اشاعت اسلام کا کام ہے۔ تھوڑی سی توجہ سے ایک عظیم الشان کام استقلال کی صورت اختیار کرکے دنیا میں ایک انقلاب پیدا کر سکتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ خدا اس کوشش کو ضائع نہیں کرے گا۔ اور آخر وہ مرد پیدا ہونگے۔ جو اس کام کو اپنے سب کاموں پر مقدم کریں گے

اسلامک ریویو انگریزی کے ستمبر نمبر کے ساتھ ایک اعلان انگریزی ترجمہ قرآن شریف کے متعلق بھی شائع ہوا ہے۔ اس ترجمہ کی کس قدر ضرورت ہے۔ یہ انہی لوگوں کو سمجھ آسکتا ہے۔ جن سے نومسلموں اور طالبان حق نے یہ سوال کیا ہو کہ ہمیں قرآن شریف کا انگریزی ترجمہ

اس وقت کس قدر افسوس مسلمانوں کی حالت پر آتا ہے کہ ایک ترجمہ بھی ہم اپنا نہیں دے سکتے اور آخر انہی لوگوں کے ترجمے ہیں ان نومسلموں کے ہاتھ دینے پڑتے ہیں جن کے غلط خیالات کی تردید ہم دن رات کرتے رہتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ آخر یہ ضرورت پوری ہوتی نظر آتی ہے۔ ترجمہ لفظی مع ضروری تفسیری نوٹوں کے بالکل تیار ہو چکا ہے۔ اور چھپوانے کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ سردست پانچ ہزار کاپیوں کے چھپوانے کے لیئے قریباً پچیس ہزار روپے کا خرچ لگا ہے اشتہار کی کاپیاں امید ہے عنقریب ہندوستان میں پہنچ جائیں گی۔ جو احباب ترجمہ وغیرہ کا نمونہ دیکھنا چاہیں وہ اشتہار مذکور منگوا کر دیکھ سکتے ہیں

ووکنگ کی عید کے حالات گذشتہ نمبر میں ہدیہ ناظرین ہو چکے ہیں۔ ولایت کے اخبارات میں سے کچھ پچھلے نمبر میں دیا گیا تھا۔ مشہور اخبار گریفک نے ۲۱ر اگست کی اشاعت میں ایک پورا صفحہ ان حالات کا لکھا ہے۔ اور چھ بلاک تصویروں کے بھی دیئے ہیں۔ ذیل میں ہم اخبار گریفک مورخہ ۲۰ر اگست ۱۹۱۵ء کے مضمون کا ترجمہ جو اس نے عید الفطر ووکنگ کے متعلق لکھا ہے۔ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

ملک معظم کی ہندوستانی رعایا انگلستان میں

عید الفطر کے لیئے ووکنگ میں اہل اسلام کا اجتماع

(از اخبار گریفک۔ اگست ۲۰۔ ۱۹۱۵ء)

اسلامی سال میں ایک نہایت اہم موقعہ اجتماع اہل اسلام کا عید الفطر کا موقعہ ہے۔ جو لفظی معنوں میں افطار روزہ کا تیوہار ہے۔ اور جہاں کہیں مسلمان ہوں۔ یہ اجتماع باقاعدہ ہوتا ہے۔ چنانچہ انگلستان میں یہ اجتماع گذشتہ جمعہ کو ووکنگ میں ہوا۔

جمعہ کے دن انگلستان کے مختلف اطراف سے مسلمان سفر کر کے ووکنگ میں پہنچے جو انگلستان میں رہنے والے مسلمانوں کا مرکز ہے۔ پرنس عبدالکریم جو ایک امیر اسلامی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں وہاں موجود تھے۔ ایسا ہی لارڈ ہیڈلے جو نومسلم انگریزوں کی انجمن کے پریزیڈنٹ ہیں حاضر تھے۔ اور ایک عرب سردار جس نے تین دفعہ حج کیا ہے خاص قسم کے لباس کی وجہ سے بہت نظریں اُس کی طرف اُٹھتی تھیں۔ مگر اس نظارہ میں سب سے زیادہ توجہ کو کھینچنے والی بات پچاس مسلمان برطانوی فوج کے تھے جو خاکی وردیاں اور خاکی پگڑیاں پہنے ہوئے تھے۔ اور اُن کی پگڑیوں میں بعض وقت مکّہ کی مقدس خاک کے ڈھیلے چھپے ہوئے تھے۔ بعض اُن میں سے جنگ میں زخمی ہو چکے تھے۔ اور بالخصوص ایک کو جو چھڑی کی مدد سے چلتا تھا ایک سے زیادہ چیرز خاص طور پر دی گئیں۔ نماز کے شروع کرنے سے پہلے صدقہ یعنی غربا کے لیئے خیراتی فنڈ فراہمی کا خاص انتظام تھا۔ ہر ایک مسلمان کے لیئے ضروری ہے۔ کہ وہ اپنی آمدنی کا چالیسواں حصّہ غربار کی امداد کے لئے دے اور یہ خیراتی رقوم عیدالفطر کے موقعہ پر امام کے سامنے پیش کی جاتی ہیں٭

جب مؤذن نے نمازیوں کے اجتماع کے لیئے آواز بلند کی⊙ مینارہ سے نہیں۔ گو مینارہ بھی موجود تھا۔ بلکہ باغ کے اندر ایک چشمہ کے پاس۔ تو معلوم ہوا کہ جس قدر لوگ موجود ہیں اُنکا دسواں حصّہ بمشکل مسجد کے اندر سما سکے گا۔ اس لیئے یہ فیصلہ ہوا۔ کہ نماز کھلے میدان میں مسجد کے سامنے ادا ہو۔ چنانچہ وہاں مؤذن نے پھر الصّلوٰۃ الصّلوٰۃ پکارا۔ جوتیاں اور بوٹ اتار دیئے گئے۔ اور چونکہ ؔسلامی احکام کے مطابق ایسے لباس میں نماز ادا نہیں کرنی چاہیئے۔ جس پر داغ وغیرہ پڑے ہوئے ہوں۔ ہندوستانی سپاہیوں نے اپنی خاکی وردیاں اُتار کر سفید لباس پہن لیا۔ نماز دو رکعت پڑھی گئی۔ اس کے بعد قرآن کریم کی چند آیات سُنائی گئیں۔ اور خاص دُعائیں سب مسلمانوں کے لیئے گناہوں کی معافی کے لئے۔ بیماروں کی شفایابی کے لیئے۔ اور ہر ایک قسم کے فضل اور رحمت کے لیئے کی گئیں۔ ہر دُعا

٭ راقم مضمون کو یہ غلطی لگی ہے۔ کہ اُس نے صدقہ فطر کو زکوٰۃ کی رقوم سمجھا ہے +

⊙ یہ درحقیقت اذان نہ تھی۔ بلکہ محض نمازیوں کی اطلاع کے لیئے الصّلوٰۃ الصّلوٰۃ پکارا گیا تھا +

ہر دُعا کے اخیر پر مجمع آمین کہتا تھا۔

پھر مولوی صاحب نے دو تقریریں کیں۔ پہلی انگریزی میں خاص اس اجتماع کے متعلق تھی۔ کہ جس کی غرض یہ تھی۔ کہ تمام قوموں کو جمع کیا جائے۔ کیونکہ قومیت اور مرتبہ کا امتیاز اسلام میں کوئی نہیں۔ ہندوستانی میں تقریر کرتے ہوئے مولوی صاحب نے سپاہیوں کو نصیحت کی کہ جس حق کے لیئے وہ جنگ کر رہے ہیں اُس کے لیئے اپنا پُورا زور لگائیں۔ اور توپ کے گولے کے نیچے بھی خدا کے کلام کو نہ بھُولیں۔

اس کے بعد معمُولی نماز جمعہ ادا ہوئی۔ جس کے آخر پر سب نے ایک دوسرے سے السلام علیکم کیا۔ اور معانقہ مصافحہ کیا۔ باقی دن کھانا کھانے کے بعد گفتگو میں اور باہم مل جُل بیٹھنے میں صرف ہُوا۔ دوپہر کا کھانا ہندوستانی سپاہیوں کو مسجد میں کھلایا گیا۔ جنھوں نے مشرقی طرز پر فرش پر بیٹھ کر دسترخوان پر کھانا کھایا۔ اور دوسرے مہمانوں نے کھُلے میدان میں یا مسجد کے متعلقہ مکان میں کھانا کھایا۔۔۔۔ کھانے کے بعد بعض سپاہی کھُلے میدان میں اِدھر اُدھر پھرتے اور اللہ کے نام کی تسبیح کرتے تھے۔

مغربی نظارہ کرنے والوں کے لیئے یہ نظارہ نہایت عجیب مگر بہت مؤثر تھا۔ برطانوی ہندوستانی۔ ایرانی۔ عرب۔ مصری۔ مشرقی افریقہ اور سوڈان کے رہنے والے اپنے اپنے لباسوں میں ایک ہی جگہ ایک ہی عبادت میں ایک ہی امام کے پیچھے تھے۔ کئی نومسلم انگریزی نژاد خواتین بھی نماز میں شامل تھیں۔ بعض کے سروں پر ایک قسم کا عمامہ تھا۔ اور بچّے بھی تھے جو ترکی ٹوپیاں پہنے ہوئے تھے۔ جن کو اُن کے نومسلم والدین مذہب اسلام کے مُطابق تربیت دے رہے ہیں +

مذہب میں فطرت کا رنگ

از ڈڈلے رائٹ*

جن لوگوں نے کافی غور سے کام نہیں لیا وہ اب تک انگلستان میں اسلامی مشن کے قائم ہونے کو ایک معمولی امر خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ درحقیقت یہ اسلام کی فتوحات کا ایک بڑا پیش خیمہ ہے۔ بعض لوگ یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کا میدان بہتیرا وسیع ہے۔ ہم دوسرے ملکوں میں کیوں جائیں۔ وہ حقیقت حال سے بے خبر ہیں یا ابھی تک خوابیدگی کی حالت میں ہیں۔ اگر پادری صاحبان ہزار ہا روپے صرف کرکے کئی ہزار چوہڑوں کو عیسائی مذہب میں داخل کرلیں۔ تو گو تعداد کے لحاظ سے یہ ایک بڑی کامیابی نظر آئیگی اور سطحی نظریں آج کل تعداد پر ہی کامیابی کا مدار سمجھتی ہیں۔ مگر ایک لارڈ ہیڈلے یا ایک پروفیسر لیون یا ایک ڈڈلے رائٹ کا مسلمان ہو جانا ان ہزاروں کی تعداد سے بڑھ کر وقعت رکھتا ہے۔ اور یہی ووکنگ مشن کی وہ ممتاز کامیابی ہے جسکا کوئی غیر اسلامی مشن مقابلہ نہیں کرسکتی۔ بلکہ دوسرے اسلامی مشنوں میں بھی جو پہلے سے قائم ہیں یا اب ایک کام کے دیکھا دیکھی قائم کرلی گئی ہیں۔ اس کی نظیر کوئی نظر نہیں آتی۔ ان لوگوں کا اسلام ہزاروں کے لیئے دروازہ کھولتا ہے۔ اور اسلام کی بہت سی صداقتوں کے لاکھوں انسانوں کے سامنے پیش ہونے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ ڈڈلے رائٹ جنھوں نے عنوان بالا پر اسلامک ریویو کے ستمبر نمبر میں مضمون لکھا ہے۔ جو ذیل میں ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے وہ فاضل ہیں جنھوں نے عید الفطر سے چند ہی روز پیشتر اسلام قبول کیا۔ اور آج وہ ہماری تبلیغ کے کام میں ہاتھ بٹانے والے ہیں۔ بلکہ عید الفطر پر ہی اُن کے متعدد مضامین ولایت

* - آپ ایک مشہور وقائع نگار ہیں۔ اور گذشتہ ماہ میں مشرف باسلام ہوئے ہیں۔ اسلامی نام محمد صادق ہے +

کے بہت سے بڑے بڑے اعلےٰ پایہ کے رسالوں میں شایع ہوئے ہیں۔ جیسے گرینک میں۔ پس یہ اللہ تعالےٰ کا خاص فضل ہے۔ کہ جہاں ایک طرف ووکنگ مشن کے ذریعہ سے نومسلموں کی تعداد معقول ترقی کر رہی ہے۔ اور کوئی مہینہ نہیں جاتا۔ جس میں پانچ۔ چھ۔ سات نئے ممبروں کا اضافہ نہ ہو۔ دوسری طرف ان نومسلموں میں وہ آدمی بھی آتے جاتے ہیں۔ اور اسلام کی صداقت ایسے وجودوں کو اپنی طرف کھینچ رہی ہیں۔ جو درحقیقت آج نومسلم اور کل مبلغ اسلام ہوکر ہزاروں اور لاکھوں کے قائم مقام ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالےٰ کی خاص نصرت اور تائید ہے۔ جس کی ناقدری کرنے والے یقیناً ناشکرگذاروں میں لکھے جائینگے ذیل میں ڈڈلے رائیٹ صاحب کا جو ایک مشہور مضمون نویس ہیں۔ صداقت اسلام پر یہ مختصر سا مضمون درج ہے۔

یہ بہت ہی تعجب کی۔ مگر بالکل سچی بات ہے۔ کہ عیسائی مذہب کی مختلف شاخوں کے اصولی عقاید اور تعلیمیں بہت پہلوؤں میں عقل انسانی اور انسانی دل کے قدرتی تقاضوں کے خلاف ہیں۔ عیسائی مذہب کے بہت سے عقائد کو تسلیم کرنا۔ جبکہ وہ اُن اصول اور تجارب کے خلاف ہوں۔ جو انسانی تجربہ اور تمام انسانی حالات سے حاصل ہوتے ہیں سوائے اس کے نہیں ہو سکتا۔ کہ قوائے ذہنی پر جبر یا ظلم کیا جائے۔ ہاں یہ سب عقائد کے متعلق درست نہیں۔ مگر بعض کے متعلق یقیناً صحیح ہے۔

ایک خالق کو ماننا گو آج کل کے بعض سائنس کے مسایل اس کے خلاف لکھنے ہوں مگر یہ یقیناً فطرت انسانی کے بالکل مطابق ہے۔ جب ہماری نظر کسی اعلےٰ درجہ کے فن تعمیر کے نمونہ پر یا کسی بڑے دقیق انجینئرنگ کے نقشہ پر یا کسی خوبصورت تصویر پر یا باریک سنگتراشی کے کام پر پڑتی ہے۔ تو سب سے پہلے جو خیال ہمارے دل میں آتا ہے وہ یہ ہوتا ہے۔ کہ اس کام کو کسی بڑے قابل ہاتھ نے بنایا ہے۔ اور اس کام کے کرنے والے کی اگر تعظیم کے لیئے سر نہ جھک جائے۔ تو کم از کم اُس کے حق میں تعریفی

کلمات تو ضرور مُونھ سے نکل جائیں گے۔ خود مخلوق کی حالت پر نظر ڈالنے سے یہی کیفیت قلب انسانی کے اندر پیدا ہوتی ہے۔ اگر مذاہب عالم کی اصلیت کا پتہ لگایا جائے تو معلوم ہوگا۔ کہ ابتداءً تمام انسانوں کا ایک مشترک عقیدہ ایک ابدی قادر خدائے مطلق کی ذات پر ایمان تھا۔ پھر مختلف مذاہب میں نئے نئے حالات کے پیدا ہونے کے ساتھ طرح طرح کی غلطیاں راہ پاگئیں اور اصلی موحدانہ خیال کی جگہ مشرکانہ عقاید نے لے لی۔

لیکن جب ہم اس طرف غور کرتے ہیں۔ کہ وُہ ابدی قادر خدا کیا کبھی نسلِ انسانی کیساتھ جو اُس کی اپنی مخلوق اور اُسی کے ہاتھ سے نکلے ہوئے ہیں۔ ایسا ناراض ہوجاتا ہے کہ اپنے غصّہ کے فرو کرنے کے لیئے اپنے ہی فرزندوں کی قربانی مانگتا ہے۔ تو یہ خیال ہمیں انسان کی فطری خواہش کے بالکل خلاف نظر آتا ہے۔ اور پھر فطرت کے تقاضا کے خلاف ہونے کے علاوہ خدا کا انسان بن جانا یا انسان کی شکل میں اوتار لینا فہم اور عقل انسانی کے سراسر خلاف ہے۔ اور اس کی تشریح اس بات کے مان لینے سے بھی نہیں ہوتی۔ کہ انسان الوہیت کی چادر میں داخل ہو کر فنا کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ بلکہ انسان کا خدا بن جانا ایک ایسا فوری تغیّر ہے جو ارتقا کے اصل اصول کو بھی جڑھ سے اکھیڑتا ہے۔ پس ایسا عقیدہ چونکہ عقل انسانی پر جبر کے بغیر نہیں رکھا جاسکتا۔ اِس لیئے یہ فطرت کے بھی خلاف ہے۔

اگر جمہور کے عقیدہ کفارہ کی تشریح کی بجائے ہم اِن لوگوں کی تشریح کو بھی درست مان لیں جو روشن خیال عیسائی کہلاتے ہیں۔ اور اس طرح خدا کے اپنے ایک بیٹے کو پھانسی دینے کی اصل وجہ یہ نہ سمجھیں کہ خدا نے ناراض ہو کر اپنا غصّہ فرو کرنے کے لیئے ایسی کارروائی کی۔ بلکہ یہ خیال کرلیں۔ کہ اعلےٰ درجہ کی پدرانہ محبّت کا اظہار خدا کا مقصوُد تھا۔ تاکہ لوگوں کو یہ معلوُم ہوجائے۔ کہ نسل انسانی سے وہ کیسی محبّت کرتا ہے۔ تو عقل انسانی اس تاویل کو بھی قبول نہیں کرسکتی۔ انسان کے اخلاق کا اعلےٰ سے اعلےٰ جوہر قربانی یا ایثار ہے۔ مگر کوئی شخص یہ قیاس نہیں کرسکتا۔ کہ یہ بھی ایک باپ کی محبّت کاملہ کا اظہار ہے۔ کہ وُہ اپنے ایک بیٹے کو دوُسروں کے لیئے قربان کردے۔ اِس لیئے کوئی مذہب جس میں عقیدتاً نوعِ انسانی کے ایک فرد کا دکھ بھی لوازم مذہب یا اصوُل مذہب میں سے ہے فطرتِ انسانی

کے مُطابق نہیں ہو سکتا ؛

خدا اور بندہ میں مکالمہ کا تعلق بلا واسطہ ہو یا بواسطہ ان ہستیوں کے جن کو ملائکہ کہا جاتا ہے۔ فطرت کے مُطابق عقیدہ اور تعلیم ہے۔ اور جس انسان کو ایسا تعلق اور قرب حاصل ہو وُہ اِس ذریعہ سے تدریجاً ترقی کرتا اور اپنے کمال کو حاصل کرتا ہے۔ اِس ترقی کا حاصل کرنا اور کمال کا پا لینا بعض رُوحانی طریقوں پر چلنے کا نتیجہ ہے۔ جو ہر ایک انسان کو حاصل ہو سکتے ہیں۔ مگر ہر ایک انسان ان سے فائدہ حاصل نہیں کرتا۔ ہاں جس دل میں ایسی خواہش ہو اس کو لازم ہے کہ وُہ عملی طور پر ان ذرائع کو اختیار کرے۔ اور ان راہوں پر چلے جو اس مقصود تک اسے پُہنچا سکتے ہیں۔ ایسے ہی ذرائع اور راہ پر حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم چلے اور جب آپ غار میں بحر فکر میں غوطہ زن ہو رہے تھے۔ وہ پیغام ذات باری کی طرف سے پُہنچا۔ جو نہ صرف آپ کے اپنے لیئے ہدایت۔ راحت اور امن کو ساتھ لایا۔ بلکہ نسل انسانی کی کروڑ ہا مخلوق کے لیئے بھی ہدایت راحت اور امن کا پُہنچانے والا ہُوا۔ دُعا یا نماز اِس مرحلہ کا ابتدائی قدم ہی نہیں۔ بلکہ مکالمۃ الٰہیہ کے ضروری لوازم میں سے ہے جسکے بغیر انسان اس مرتبہ جلیلہ کے کمال پر قایم نہیں رہ سکتا۔ دُعا اور نماز فطرت انسانی کے تقاضا کے بالکل مطابق ہیں۔ لیکن فطرتی تقاضا کے خلاف طریق پر دُعا کرنا فطری امر نہیں۔ زرق البھڑک لباس اور سریلے باجے دُعا کے فطری لوازم نہیں ہیں۔ اسی طرح پر انسان میں رُوحانی زندگی کے نشوونما اور تکمیل کے لیئے روزوں کا رکھنا بالکل قدرتی اور ضروری امر ہے۔ مگر روزہ رکھنے کے معنے یہ نہیں۔ کہ صرف کھانے اور پینے کی خواہشات کو پُورا نہ کیا جائے۔ ہادیٔ کامل حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ کو اس بات کی پروا نہیں کہ کوئی شخص کھانے اور پینے کو چھوڑتا ہے۔ اگر وہ جھوٹ اور عیب چینی کو نہیں چھوڑتا۔ اور رُوح کی پاکیزگی کے لئے روزہ اُسی وقت ایک حقیقی ذریعہ بن سکتا ہے جب انسان صرف کھانے پینے کو ترک نہ کرے۔ بلکہ ہر ایک قسم کی برائی سے اجتناب کرے۔ روزہ رکھنے کے طریق کے سارے عیسائی پابند نہیں۔ بعض ہیں۔ حالانکہ رسُولِ خدا سیدنا المسیح نے فرمایا تھا۔ کہ اس قسم کی باتیں سوائے دُعا اور روزہ کے حاصل نہیں ہوتیں۔ مگر جہاں روزہ رکھنے کی ضرورت کو

تسلیم بھی کیا جاتا ہے۔ چند راہبانہ سلسلوں کو چھوڑ کر یہ محض ایک دکھاوا ہوتا ہے۔ ایک شخص محض گوشت کو ترک کرنے سے روزہ دار کہلا سکتا ہے۔ گو وہ اس کی کو مچھلی کھانے سے پورا بھی کر لے پھر بھی وہ روزہ دار کہلا سکتا ہے۔ بلکہ کثرت سے مے نوشی کرنے سے بھی اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔ گو اس طرح وہ بدمستی کے جرم کا مرتکب بھی قرار پائے۔ مگر اسلامی حکم ایسا نہیں۔ بلکہ جیسا کہ مارکس ڈاڈس نے کہا ہے "یہ روزہ یعنی رمضان کا روزہ کوئی دکھاوا نہیں۔ نہ ہی گرمی کے موسم میں ثقیل غذاؤں کو ترک کر کے ہلکی غذائیں کھا لینے کا نام روزہ ہے۔ بلکہ ہر قسم کی خورد و نوش کی اشیاء سے حتیٰ کہ تمباکو سے بھی صبح سے لے کر شام تک پرہیز کرنا ضروری ہے اور پھر یہ ایک دن نہیں بلکہ ایک پورا مہینہ ہے" اور صرف جسمانی غذاؤں کا ترک کرنا ہی روزہ نہیں بلکہ روحانی ترقیات کے لیئے اس سے پورا فایدہ اٹھانا ضروری ہے۔

مذہب اس قسم کے بیہودہ مباحثات یا توہمات یا اضداد کا نام نہیں۔ جیسے کہ عیسائیوں کے مختلف فرقوں میں پائے جاتے ہیں۔ نہ ہی اس قسم کے مسایل پر بڑے بڑے مجلدات لکھ دینے کا نام مذہب ہے۔ جیسے عیسائیوں نے کہیں بن باپ حمل کے مسئلہ پر۔ کہیں کسی کلیسیا کے خود منتخب کردہ امر کے معصوم عن الخطاء ہونے پر۔ کہیں بغیر بپتسمہ پائے ہوئے بچوں اور بالغوں کی سزاؤں پر۔ کہیں گناہوں کی پیچ در پیچ تقسیموں پر اور کہیں مسئلہ تثلیث کے عقدہ لاینحل کو عقلی طور پر سلجھانے کے ناممکن کام پر لکھ مارے ہیں۔ برٹش میوزیم اور دوسرے بڑے بڑے کتب خانے اسی قسم کی بڑی بڑی مجلدات سے بھرے پڑے ہیں۔ جو نہ صرف آج ان کتب خانوں کے لیئے ہی بار گراں ہو رہے ہیں بلکہ اُن کے مصنفین کا وقت بھی بیفایدہ ضایع ہوا ہے۔ اور وہ اگر اسی وقت کو کسی بہتر مصرف میں لگاتے۔ مثلاً ان بدیوں کو کم کرنے میں جو انسانی نسل کی ہلاکت کا موجب ہو رہی ہیں تو یقیناً اُن کی محنت بار آور ہوتی۔ مگر غلط اور خلاف فطرت عقایدنے اُن کو غلط راہ پر ڈال کر نسل انسانی کو بجائے فایدہ کے نقصان پہنچایا۔

اسلام نہ صرف مذہب کے بعض اصول ہی سکھاتا ہے۔ بلکہ اُن اصول کو عمل میں لانے کی راہ بھی بتاتا ہے۔ اس دن سے لے کر جب حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے خطرناک مخالفت کے اندر اس کے اصول کو قایم کیا۔ آج تک اُس نے کروڑ ہا انسانی دلوں میں اپنی محبت کا

گھر بنایا ہے! اور اگر ایک طرف رُوحانی علوم کا سمندر بہایا ہے۔ تو دُوسری طرف اخلاقی مجموعہ قوانین بھی ایسا اعلےٰ درجہ کا دیا ہے جو اور کہیں بھی دُنیا میں نہیں ملتا۔ گفتگو میں کھانے میں پینے میں حد اعتدال سے بڑھنے کو روکا ہے۔ قمار بازی کی بیخ کنی کی ہے۔ مرد و عورت کے تعلقات کو صحیح رنگ میں قایم کیا ہے۔ اور ہر ایک قسم کے ناجایز تعلقات کی جڑھ کاٹی ہے۔ اور ان لعنتوں سے دُنیا کو آزاد کیا ہے جو عیسائی تہذیب کے ساتھ ساتھ چلتی ان ملکوں میں جہاں اسلام کا غلبہ ہے۔ نہ جُوا کھیلنے کے لیئے قمار خانے ہیں۔ نہ ہی عورتوں کی عفت کی فروخت کی دوکانیں ہیں۔ اور نہ ہی شراب خانے ہیں۔

پس یہودیوں کی وُہ پورانی ندا۔ خداوند ہمارا خدا ایک ہے۔ اُسی کے ہم پہلو ایک خوشی کے ترانہ میں۔ یقین اور بصیرت کے ساتھ وُہ آواز گونجتی ہے۔ جو انسان کے اعلےٰ سے اعلےٰ خیالات کو اُبھارتی ہے۔ یعنی لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کی آواز۔ اس آواز پر لبیک کہنے سے ہم ایک ایسے مذہب کو قبول کرتے ہیں جس نے اپنی سینکڑوں سال کی زندگی میں کبھی معقولیت اور عقل انسانی کے خلاف اپنی آواز نہیں اُٹھائی +

صدائے اسلام پر مختلف آوازیں۔

یا

خالص سونا اور میل۔

(رقمزدہ یحییٰ النصر پارکنسن۔)

{ یہ مضمون خاص طور پر ناظرین کی توجہ کے قابل ہے۔ اس میں ہمارے قدیم نامہ نگار اور انگلستان کے ایک پُرانے نومسلم مسٹر یحییٰ النصر پارکنسن نے پادری صاحبان کی ان چالاکیوں کی طرف توجہ دلائی ہے جن سے وُہ کسی اسلامی تحریک کو جو انھیں اپنے ملک میں کام کرتی

نظر آئے بدنام کرنیکی کوشش کرتے ہیں۔ اہل اسلام اس مضمون کو بہت توجہ سے پڑھیں۔ یہ بالکل سچی بات ہے۔ کہ جب سے ووکنگ کی کامیابیوں نے پادریوں کی توجہ کو اپنی طرف کھینچا ہے انھیں اور کوئی بہتر راہ اس کی مخالفت کی نظر نہیں آئی۔ سوائے اس کے کہ مسلمانوں کی عام ہمدردی اور مدد کو روک کر اس مشن کو مالی پہلو سے ناکامیاب کیا جائے چنانچہ ان کی متعدد تحریریں اس مضمون کی شایع ہو چکی ہیں۔ مگر مسلمان بھی خوب جانتے ہیں۔ کہ یہ لوگ جو اسلام کی ہمدردی کے رنگ میں ایک اسلامی تحریک کو بیخ و بُن سے اکھاڑنا چاہتے ہیں کون ہیں۔ ان کے ظاہری الفاظ بھیڑوں کا لباس ہیں۔ وہ بظاہر مسلمانوں کے ہمدرد بنتے ہیں۔ مگر کون نہیں جانتا کہ وہ اسلام کے نام و نشان کو دُنیا سے مٹا ہُوا دیکھنا چاہتے ہیں اور بجائے توحید کے تثلیث کو دُنیا میں پھیلا ہُوا دیکھنا چاہتے ہیں۔ مگر وہ انشاء اللہ تعالےٰ اس میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ تثلیث کے عقیدہ کے عروج کا زمانہ اب گذر چکا۔ اور اب دُنیا خود بخود توحید کی قبولیت کی طرف آرہی ہے ہاں اہل اسلام کی تھوڑی سی کوشش بکار ہے +

ایک بدھ مذہب کا پیرو کہتا ہے۔ کہ انسان سنکاروں کا مجموعہ ہے۔ وہ اپنا علم اپنے بزرگوں سے حاصل کرتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی ان صفات کو بھی جو اُس کے ساتھ وابستہ ہیں یعنی اپنی نوع کے رواج اور عادات اور قوم کے خیالات کا ذخیرہ جو مرورِ زمانہ کے ساتھ اکٹھا ہوتا چلا آتا ہے۔ وُہ عقاید جو ایک نسل نے دُوسری نسل کو بطور ورثہ دیئے ہیں۔ اور جو قومی تصنیفات کے اندر محفوظ چلے آتے ہیں۔ گرد و پیش کے حالات میں جو تغیّر آتا ہے وُہ فوراً انسان کی طبیعت پر اپنا اثر پیدا کرتا ہے۔ جس طرح موسم کے تغیّرات آلہ مقیاس الہوا پر اپنا اثر ڈالتے ہیں۔ اور تغیّر حالات کے ساتھ انسانی طبیعت کا پارہ بھی چڑھتا اور اُترتا رہتا ہے۔ افلاس مشکلات اور مصایب سامنے آجائیں تو انسان کی آنکھ دُھندلی اُس کا دماغ سُست اُس کی طبیعت بوجھل ہو جاتی ہے۔ ہمدردی یا مہربانی کے اظہار سے رُوح میں ایک خوشی دماغ میں تیزی کی کیفیت اور خیالات میں تموّج پیدا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ موسم کا تغیّر بھی انسانی طبیعت پر اپنا اثر کیئے بغیر نہیں رہتا سُورج چمکتا ہو پرندے چہچہاتے ہوں۔ پھول شگفتہ ہوں تو انسان کی طبیعت میں بھی خوشی

اور خوش مزاجی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے ہوں۔ اور بارش سے تاریک ہو رہا ہو۔ تو طبیعت انسانی بھی ایک بوجھ ایک غم محسوس کرتی ہے۔ غرض کہ جس طرح حالات بدلتے ہیں انسان کی طبیعت پر بھی ویسی ہی تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ یہی باتیں بعض وقت دماغ کو روشن اور دوسرے وقت اُس کو تاریک کرنے کا موجب ہو جاتی ہیں۔ اور انہی تغیرات کے ماتحت ایک ہی انسان اگر ایک وقت اعلےٰ درجہ کے خیالات کا اظہار کرتا ہے تو دُوسرے وقت ان باتوں کا اظہار کرتا ہے۔ جو نسل انسانی کے مجموعہ خیالات میں ایک داغ بنجاتی ہیں۔ بڑے آدمی ان حالات سے کم متأثر ہوتے اور اس لیئے کم غلطیاں کرتے ہیں مگر جب وہ غلطیاں کرتے ہیں تو اسکا اثر بھی دُور تک جاتا ہے کیونکہ انکے سامنے اہم امور ہوتے ہیں اور ان کی غلطیاں بھی بڑی ہوتی ہیں۔ مگر وُہ جو حقیقی طور پر انسانوں کے رہنما ہوتے ہیں وہ سب سے زیادہ محسوس کرتے سب سے بڑھ کر کام کی جرأت کرتے۔ سب سے بڑھ کر مصایب اُٹھاتے اور سب سے بڑھ کر نافع ہوتے ہیں۔ وہ حالات زمانہ سے متأثر ہونے کی بجائے زمانہ پر اپنا اثر ڈالتے اور مستقبل کو اپنے خیالات کے ماتحت لاتے ہیں۔ ان کی آواز بیابان میں پکارنے والے کی آواز ہوتی ہے مگر صرف ایک وقت کے لیئے۔ ان کی طبائع میں قوت احساس اور ہمدردی بھری ہوئی ہوتی ہے۔ اور وہ اپنی نوع کو چھوڑنے کے لیئے ایک آواز اپنے اندر پاتے ہیں۔ اور اس آواز پر لبیک کہنے کے لیئے سب سے بڑھ کر تیار ہوتے ہیں۔ وہ عظیم الشان کیمیاگر ہوتے ہیں۔ جو زمانہ پر اپنا اثر ڈال کر خاک کو سونا بنا دیتے ہیں۔ وہ ترقی کے پیش رَو ہوتے ہیں۔ ان کے کام اور ان کے اقوال دُنیا کو ہلا دیتے ہیں۔ حالات انسانی میں انقلاب عظیم پیدا کر دیتے ہیں اور اس راہ کی طرف دُنیا کو لے جاتے ہیں جو راست بازی اور دُنیا کی نجات کی راہ ہوتی ہے۔ وُہ ایک معنے میں اپنے وقت اور زمانہ کے نہیں ہوتے۔ کیونکہ وہ وہ باتیں دُنیا کو سکھاتے ہیں جو انکے زمانہ کی باتیں نہیں ہوتیں۔ بلکہ مُدت بعد نسل انسانی اُن کی صداقت کو محسوس کرتی ہے وُہ کسی کا خوف نہیں کرتے۔ بلکہ ایک مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے وُہ مقصد جو اُن کی کشفی آنکھ کو دکھایا جاتا ہے۔ اِس کی تکمیل کے لیئے وہ بغیر دائیں یا بائیں نظر ڈالنے کے آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ انسانوں کی صفوں کو چیرتے ہوئے گذر جاتے ہیں۔ ہر قسم کے بُتوں کو توڑتے ہوئے

چلے جاتے ہیں۔ اور اُن کی نظر انسانیت کے انتہائی مقصد پر جمی ہوئی رہتی ہے۔

مروجہ سنہ کی چھٹی صدی کے آخری اور ساتویں صدی کے شروع میں ایسا ایک عظیم الشان انسان اُٹھا اور اُس نے بیابان میں اپنی آواز کو اٹھایا۔ اللہ کا نام لے کر وُہ پکارا اور اسی ایک کی آواز پر عرب کا ملک دُنیا میں ایک ممتاز ملک ہو گیا۔ اور اس کا پیغام اسلام ساری دُنیا میں پھیل گیا۔ یہ زندگی بخش خیالات کی رو نہ صرف ایک لمبے زمانہ سے بہتی چلی گئی ہے بلکہ جوں جوں زمانہ گذرتا ہے اس کے بہاؤ میں اور بھی زور پیدا ہوتا چلا جاتا ہے اور بڑھتی ہوئی تیزی کے ساتھ اور بڑھتے ہوئے حجم میں یہ آگے آگے چلی جاتی ہے۔

وہ عظیم الشان قلوب انسانی جو درحقیقت رحمان کے تختگاہ ہوتے ہیں۔ وہ اعلےٰ درجہ کی خیالات سے بھرے ہوئے ہوتے اور ان کا مقصد ہمیشہ بلند ہوتا ہے۔ وہ طبعًا تمام ان باتوں سے متنفر ہوتے ہیں جو بدی کے نام سے موسوم ہیں یعنی جو ایک انسان کو یا قوم کو ذہنی یا اخلاقی یا جسمانی پہلو سے اسفل حالت کی طرف لے جانے والی ہیں۔ اور وہ طبعًا ان تمام باتوں سے محبت رکھتے ہیں جو انسان کی جسمانی اخلاقی اور روحانی حالت کو ادنےٰ سے اعلےٰ کی طرف لے جاتی ہیں۔ وہ ہر ایک خوبی اور خوبصورتی کو خواہ وہ نظارۂ قدرت میں ہو اور خواہ انسان کے قلب کے اندر پسند کرتے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر پاک رُوح پاک دل پاک اخلاق سے محبت کرتے ہیں۔ مگر دُنیا بھی ایک عجیب دُنیا ہے۔ اور اس کے کام بھی عجیب رازوں کو اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اس نے تجربہ سے بُہت کچھ جمع کیا ہے۔ اور وہ قانون اپنے لیئے بنائے ہیں جن کی وہ اپنے آپ کو پابند کرتی ہے۔ اور جس کا نام یہ تہذیب رکھتی ہے۔ اُس نے خوشی اور غم کی داستانیں بھی بنائی ہیں۔ سائنس اور لٹریچر بھی اپنے لیئے پیدا کیا ہے۔ اسکے قانون اور رواج اس کی عادات اور تعلیمات رنگا رنگ کی ہیں۔ کچھ سچے بھی ہیں اور کچھ بظاہر سچے نظر آتے۔ مگر حقیقت میں دھوکا دینے والے ہیں۔ اس کی کہاوتیں اور ضرب المثلیں اپنے اندر صداقتیں بھی رکھتی ہیں اور غلط راہ پر ڈالنے والی بھی ہیں۔ اِس کے کام بُہت ہیں۔ مگر کاموں سے بڑھ کر اس کے اقوال ہیں۔ اور باوجود اس کے کہ دُنیا اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ تعلیم کی نسبت نمونہ بہتر ہے۔ مگر اس کی تعلیمیں بُہت اور اس کے نمونے کم ہیں۔ سب سے عجیب

اس کی نکتہ چینی ہے۔ یہ بات یوں نہیں ہونی چاہیئے وُوں ہونی چاہیئے۔ ہر ایک شخص اپنے خیالات میں محو اپنا ہی راگ الاپتا چلا جاتا ہے۔ کسی پچھلے مضمون میں مَیں نے ناظرین کو مارگولیتھ کے اِس دعوے کی طرف توجہ دلائی تھی۔ کہ اسلام گویا درحقیقت اپنی ابتدا میں عرب کے اندر ایک مخفی سوسائیٹی تھی اب میرے ایک دوست نے مجھے ایک کاپی ایک کتاب کی بھیجی ہے۔ جو ٹی۔ آر۔ ڈبلیو لنٹ نے لکھی ہے اور جس کا نام "سٹوری آف اسلام" یا اسلام کی کہانی رکھا ہے۔ اس کتاب میں میرے دوست نے کئی مقامات پر نشان لگائے ہیں۔ جس سے غالباً انکا منشاء یہ ہے کہ وُہ ان کے متعلق میرے خیالات کا اظہار چاہتے ہیں۔ اس کو میں کسی آئندہ موقعہ کے لیئے چھوڑتا ہوں۔ صرف ایک بات کی طرف اپنے ناظرین کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ اس کتاب کا مصنّف لکھتا ہے:۔

"(حضرت) محمد (صلے اللہ علیہ وسلّم) جس قدر ممکن ہو معاملہ کو تاریکی میں رکھنا چاہتے تھے۔ اور وہ لوگ جو اس معلّم سے اور اس کے شاگردوں کی چھوٹی سی جماعت سے واقف تھے۔ وُہ انھیں ایک چھوٹی سی مخفی کم و بیش بلا ضرر جماعت سمجھتے تھے۔" (صفحہ ۱۴ و ۱۵)

"معاملہ کو پہلے چار سال میں مخفی رکھنے کا بہت بڑا فائیدہ ہُوا۔ اس نے شروع شروع میں ہی اس سلسلہ کو کچلا جانے سے بچا لیا۔" (صفحہ ۱۶)

پھر چند سطریں چھوڑ کر لکھتا ہے۔

"محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اب کسی قدر نمائش اور شوکت کے ساتھ ایک مرکزی مقام اپنے لیئے تجویز کیا۔ یعنی ارقم کا گھر جو اب تک اسلامی دنیا میں اسلام کے گھر کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلّم اپنے پیروؤں کے جلسے کرتے۔ استفسارات حل کرتے۔ اور زائرین اور دوسرے لوگوں سے جو آپ کے پاس آتے ملاقات کرتے۔"

مسٹر لنٹ اور پروفیسر مارگولیتھ میں اس نکتہ چینی میں جو اختلافات ہیں نہ میری یہہ خواہش ہے اور نہ میرا منصب ہے۔ کہ اُن کو تطبیق کردں۔ مگر ایک تاریخی نظر سے عامہ عقل انسانی کا واسطہ دے کر میں یہ سوال کرتا ہوں کہ یہ زمانہ کونسا تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اسلام کو مخفی سوسائیٹی کے رنگ میں رکھا ہُوا تھا؟ مارگولیتھ کہتا ہے۔ کہ یہ وہ

زمانہ تھا۔ جب آپ ارقم کے گھر میں تھے۔ لنٹ لکھتا ہے کہ ارقم کے گھر میں جانے سے تین سال پہلے کا یہ زمانہ تھا۔ حالانکہ وہ ساتھ ہی اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ ان تین سال کے اندر کوئی چالیس کے قریب مسلمان بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ مل گئے تھے۔ اور جو کچھ وہ کہتا ہے اُس کی تائید میں کوئی بات پیش نہیں کرتا۔ پھر مارگولیتھ لکھتا ہے کہ ارقم کا گھر ایک ایسے موقعہ پر تھا۔ جہاں لوگوں کی آمد ورفت عام طور پر نہ تھی۔ (لنٹ (جو میور کا تتبع کرتا ہے) لکھتا ہے کہ یہ مرکزی مقام تھا۔ اسلام کی اس نکتہ چینی پر عیسائیوں کی اپنی حالت جو عیسائیت پر نکتہ چینی کرنے وقت ہوتی ہے یاد آجاتی ہے۔ ایک شخص ایک مضمون لکھتا ہے جس میں وہ بتاتا ہے۔ کہ عیسائی مذہب کیا ہے۔ پھر جب کوئی شخص اسکے مضمون پر تنقید کرکے اُس کی غلطی کو ظاہر کرتا ہے۔ تو ایک دُوسرا اُٹھتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ پہلے مضمون میں جو کچھ عیسائی مذہب کے متعلق لکھا گیا تھا وہ صحیح نہ تھا۔ اس لیئے اس کی تنقید ہی فضول ہے۔ اصل عیسائی مذہب یہ ہے۔ پھر جب اس پر تنقید کی روشنی ڈالی جائے تو ایک تیسرا اُٹھتا ہے۔ اور وہ پہلے دونوں حامیان عیسویت کو غلطی پر بتا کر ایک اور ہی تعریف عیسائی مذہب کی کرتا ہے۔ غرض اس طرح یہ سلسلہ چلتا ہے۔ اور کوئی نہیں لکھ سکتا۔ کہ عیسائی مذہب حقیقت میں کیا ہے۔

جب میرے قدیم دوست مسٹر عبداللہ کولیم نے لورپول میں ایک اسلامی تحریک کی بنیاد ڈالی تو عیسائی پادری مشرق میں مسلمانوں کو یوں کہہ دیا کرتے تھے۔ کہ یہ جو مذہب کولیم پیش کر رہا ہے وہ حقیقی اسلام نہیں جو کہ مشرق میں پایا جاتا ہے۔ بلکہ اسلامی تعلیم اور عمل کی یہ ایک بدنما شکل ہے جو چند مغربی آدمیوں نے تجویز کرلی ہے۔ چونکہ لورپول کی تحریک اسلامی کا بانی ایک انگریز تھا۔ اور اس کے مؤید بھی انگریز تھے۔ اس لیئے اسلام کے مخالفوں نے اس پالسی کو مفید سمجھا۔ کہ مشرقی اسلامی بھائیوں کی ہمدردی کو اس طرح کہہ کر اس تحریک سے الگ کردیں۔ اور وہ اس کی کوئی مدد نہ کریں تاکہ یہ ترقی نہ کرے۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ ایک حد تک وہ اس میں کامیاب ہوگئے۔ اب ووکنگ میں جو تبلیغ اسلامی کا کام شروع ہوا ہے اس کے بانی اور اس کے چلانے والے خالص ہندوستانی مسلمان ہیں۔ مگر اب بھی پادری

صاحبان اسی پالسی پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور موجودہ پہلی تحریک کی طرح بدنام کر کے افریقہ اور مشرق قریب کے مسلمانوں کی ہمدردی کو اس تحریک سے الگ کرنیکی تجویزیں ہیں۔ ہاں اس مرتبہ یہ ان کی تجویز کارگر نہیں ہوئی۔ مگر باوجود اس ناکامی کے یہ ضروری ہے۔ کہ یہ بات مسلمانوں کے علم میں آجائے۔ مسلم ورلڈ جلد ۵ نمبر ا صفحہ ۹۰ پر ایچ ای ای ہیر کتاب "اسلام اینڈ سلم پریر" یعنی اسلام اور اسلامی نماز پر جو خواجہ کمال الدین صاحب نے شایع کی ہے ریویو کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"جن عقاید کا اظہار اس کتاب میں کیا گیا ہے وہ قابل اعتبار نہیں ہیں۔ وہ حقیقی اسلام کو پیش نہیں کرتے۔ اور مختلف مضمون نویس ہندوستانی آؤٹ ٹیلزم (بلند خیالیوں) سے فریب خوردہ معلوم ہوتے ہیں جو وہ اسلام نہیں۔ جو مصر۔ عرب اور روم میں پایا جاتا ہے" جن خیالات کا اظہار مسٹر ہیر نے یہاں کیا ہے۔ وہ نمونہ ہیں۔ ان خیالات کا جو عام طور پر وہ پادری جو اسلامی ممالک میں کام کر رہے ہیں ان لوگوں کے متعلق رکھتے ہیں جو اسلامک ریویو میں مضامین لکھتے ہیں۔ مگر باوجود اس کے اصل صداقت ان پر ظاہر ہو چکی ہے۔ ان کو حسد کی جلن محسوس کرتے ہوئے بھی یہ ماننا پڑا ہے۔ کہ جن خیالات کا اظہار یہاں ہوتا ہے وہ بلند خیالات ہیں یعنی خود ان مضامین پر اور ان خیالات پر تو ان کا کوئی ہاتھ نہیں پڑتا۔ اب ان کی وقعت کو یہ کہہ کر کم کرنا چاہتے ہیں۔ کہ عرب اور مصر کا اصلی اسلام نہیں ہے۔ ان لوگوں کی طرف سے جنھوں نے اسلام کی مخالفت پر قسم کھا رکھی ہے۔ اس بات کا اعتراف کہ یہ خیالات اعتراض کی دسترس سے باہر ہیں۔ بہتر سے بہتر تعریف ہے جو وہ کر سکتے تھے +

ام الالسنہ المعروف بہ زندہ و کامل الہامی زبان
قیمت ۱۲/

براہین نیرہ المعروف بہ زندہ و کامل الہام
قیمت ۱/

اسوہ حسنہ معروف بہ زندہ و کامل نبی۔ قیمت صرف ۴/

سلہ یہ کتاب منیجر اشاعت اسلام عزیز منزل نولکھا لاہور سے قیمت ۱۲ر پر مل سکتی ہے +

اسلام میں انصاف

ایک نومسلم انگریزی خاتون آمینہ کی قلم سے

جو لوگ اسلام کا غور اور نیک نیتی سے مطالعہ کریں گے۔ اُن کو معلُوم ہوگا۔ کہ انصاف پسندی اور میانہ روی اِس مذہب کا امتیازی نشان ہے۔ اس کی اس انصاف پسندی کا سب سے ابتدائی مرحلہ یہ ہے۔ کہ اِسلام کی تعلیم کی رُو سے کوئی بچہ گنہگار پیدا نہیں ہوتا۔ نہ ہی اس کی تعلیم ہمیں یہ بتاتی ہے۔ کہ والدین کی بدیاں بچے بیں ورثہ کے طور پہ آجاتی ہیں۔ یا ان شرارتوں کا جو اس کے والدین نے کی ہوں۔ جن کو اُس نے سُنا بھی نہیں۔ دیکھنا تو کیا تھا وُہ ذمہ دار ہوتا ہے۔ اسلام انسان کو یہ سکھاتا ہے۔ کہ وُہ اپنے اُوپر اِعتماد کرے۔ ہر ایک انسان درحقیقت اپنا آپ حاکم اور صرف اپنے ہی افعال کا ذمّہ دار ہے۔ اپنے اعمال سے چاہے تو وہ اپنے آپ کو بچالے اور چاہے اپنی بدعملیوں سے اپنے آپ کو تباہ کرلے۔ اگر وُہ نیک کام کرتا ہے تو وہ اس کا اچھّا ... جائز اجر پاتا ہے۔ اگر بدی کا ارتکاب کرتا ہے۔ تو اُس کی سزا اُسے خود ہی بُھگتنی پڑتی ہے۔ قرآن کریم کی تعلیم ہے لا تزر وازرۃ وزر اخری۔ کوئی دُوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتا۔ اور یہی حقیقی تقاضا انصاف کا ہے۔ یہ انصاف کے خلاف ہے۔ کہ ایک شخص کے گناہ کے بوجھ کو کوئی دوسرا اُٹھالے یا ایک کے گناہ کا کفارہ دُوسرا دے۔ دُنیا کا کوئی منصفانہ قانون اِس بات کو جائز نہیں رکھتا۔ کہ ایک شخص جو خود بے گناہ ہے۔ کسی دُوسرے کے گناہ کا ذمّہ دار

قرار دیا جائے اور بجائے اصل مجرم کے دوسرا سزایاب ہو اور مجرم چھوٹ جائے۔ مگر تعجب ہے کہ جس بات کو عقل انسانی معمولی دنیوی کاروبار میں قبول نہیں کر سکتی اور نہ اسے صحیح اصول ٹھیراتی ہے۔ مذہب کے معاملہ میں اسی بات کو آنکھیں بند کر کے قبول کر لیا جاتا ہے۔ اگر ہماری عقل ہرگز روا نہیں رکھتی کہ انصاف اس بات کا نام رکھیں کہ مجرم تو چھوٹ جائے اور بے گناہ جیلخانہ میں بھیجدیا جائے تو پھر کس طرح اس بات کو جائز قرار دیا جاتا ہے کہ ساری دُنیا کے مجرم تو رہائی پا جائیں۔ اور سب کے گناہوں کا بوجھ ایک مسیح پر ڈالا جائے۔ یہ بات کس قدر کھلے طور پر ظلم اور ناانصافی کی ہے۔ مگر یہی وہ عقیدہ ہے جو عیسائی حضرت مسیح کے متعلق رکھتے ہیں۔ جنھیں دُنیا کا نجات دھندہ قرار دیا جاتا ہے۔ جو شخص ذرہ بھی عقل خداداد سے کام لے وہ سمجھ سکتا ہے۔ کہ یہ کیسی کھلی اور صاف طور پر ناممکن بات ہے۔ کہ ایک شخص اپنی ایک قربانی سے ان تمام کے لیئے کفارہ ہو جائے جو اس دُنیا پر گذر چکے ہیں۔ اور اس لاانتہا کروڑ در کروڑ مخلوق کے لیئے بھی جس نے ابھی پیدا ہونا ہے۔ اور پھر تعجب پر تعجب یہ ہے کہ اگر یہ صحیح ہے۔ کہ عیسائیوں کی ایک نسل کے گناہ مسیح نے اُٹھا لیئے۔ اور وہ اُن کے لیئے کفارہ ہو گیا۔ تو اُن کے بچوں کو کیوں خدا کے غضب کے نیچے قرار دیا جاتا ہے۔ یا تو وہ پہلی نسل مسیح کے کفارہ سے گناہوں سے پاک نہیں ہوئی۔ اور یا اُن کی اولاد کو پھر کفارہ کی ضرورت باقی نہیں۔ یہ دونوں ضدیں تو بہرحال جمع نہیں ہو سکتیں۔ کہ ماں باپ کو کفارہ کی بدولت گناہ سے پاک بھی مانا جائے۔ پھر اُن کی اولاد کو پیدائشی گنہگار قرار دے کر اُن کے لیئے کفارہ کی ازسرنو ضرورت سمجھی جائے۔ درحقیقت یہ عقیدہ آپ اپنی تردید کرتا ہے

پھر اگر انسان دُنیا میں ایسی حالت میں پیدا ہوا ہے۔ کہ اس کا اپنا کوئی ارادہ نہیں۔ کہ نیک یا بد راہ میں سے ایک کو اختیار کرے تو پھر نیکی کا ثواب یا بدی کی سزا دونوں ظلم ہیں۔ ایسی صورت میں تو انسان کو عقل اور نور قلب ہرگز نہیں دیئے جانے چاہیئے تھے۔ لیکن اسلام کی تعلیم کے مُطابق اسلام کا خدا انصاف بھی کرتا ہے۔ اُس نے انسان کو پیدا کر کے اس کو اچھی اور بُری راہ بتادی ہے۔ اور اُس کو اختیار دیا ہے۔ کہ وہ چاہے تو اچھی راہ اختیار کرے اور چاہے بُری۔ مگر وہ اپنے افعال کا ذمہ دار ہوگا۔ اور جو نتائج اس کے

ایک یا دوسرے راہ چلنے سے پیدا ہونگے۔ ان کی اچھائی کا مستحق یا بُرائی کا جوابدہ وہ خود ہوگا اگر وُہ نیکی کی راہ پر چلتا ہے۔ تو اس سے خود اس کے قلب کو راحت ملے گی۔ اور انجام کار وہ راحت پائے گا۔ اگر بدی کی راہ پر چلتا ہے تو پھر تقاضائے انصاف یہی ہے کہ وہ بد افعال کے بد نتائج کو خود ہی بھگتے۔ لیکن ایک منٹ کے پیدا ہوئے ہوئے بچّہ کو یا اُن بچّوں کو جو ابھی نیک و بد کی تمیز کا علم حاصل کرنے کے قابل ہی نہیں ہوئے۔ کسی نا معلوم گناہ کا ذمّہ دار قرار دے کر دوزخ کے عذاب کا مستحق قرار دینا کسی عقلمند کے نزدیک انصاف کا فعل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ نہ ہی یہ انصاف یا جوانمردی کی بات ہے کہ اپنے گناہ اکٹھے کرکے دُوسرے کی پیٹھ پر ڈال دیے جائیں۔ اور اُن کے نتائج کا ذمّہ دار اُسے ٹھیرایا جائے جب انسان کو یہ احساس ہو کہ میں اگر کھڑا رہ سکتا ہوں تو اپنی طاقت سے۔ اور اگر گروں گا تو خود ہی نقصان اُٹھاؤں گا۔ تو وہ اپنے اوپر بھروسہ کرنا اور اپنی عزّت کرنا سیکھتا ہے۔ اگر اس کو یقین ہو کہ اس کی ہر ایک لغزش کا ذمّہ دار کوئی دُوسرا شخص ہے۔ اور اسکے گرنے سے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ بلکہ نقصان کسی دوسرے کو پہنچتا ہے۔ تو ممکن ہی نہیں کہ وہ اپنے اوپر بھروسہ کرنا سیکھے۔ یا اپنی عزّت کا خیال اُس کے دل میں پیدا ہو۔ ایسی پیدائش اور ایسی زندگی کا اسے کیا فخر ہو سکتا ہے۔ جس میں وہ خود اپنے افعال کا ذمّہ دار نہیں۔ فخر دو طرح کا ہو سکتا ہے۔ سچّا فخر اور جھوٹا فخر۔ جھوٹا فخر تو خود نمائی اور تکبّر کا بد ترین پہلو ہے۔ جس کی وجہ سے ایسا فخر کرنے والا اپنے آپ کو دُوسرے لوگوں سے بڑھ کر سمجھتا ہے۔ اور دُوسروں کی تحقیر کرتا ہے۔ یہ ایک خطرناک گناہ ہے۔ جس کے خلاف خود حضرت محمد مصطفٰے صلّے اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے۔ ایسا احمقانہ اور جھوٹا فخر انسان کو حاسد بناتا اور اُس کے دل میں جھوٹی حرص پیدا کرتا ہے۔ اور انسان کے دل کو اپنی ہی وقعت کے مبالغہ آمیز خیالات سے بھر دیتا ہے۔ مگر سچّا فخر ایک علحدہ چیز ہے۔ اور وُہ اچھّی چیز ہے جو شخص اپنا پُورا زور اس بات کے لیئے لگاتا ہے کہ وہ اپنے خدا کو خوش کرے۔ بنی نوع انسان کی مدد کرے۔ اور اپنے فرض کو ادا کرے۔ اس کے دل میں وُہ سکینت اور اطمینان راہ پاتے ہیں جو حقیقی نیکی کا جائز ثمرہ ہے۔ اگر ایک آدمی نے جس قدر اُس کے لیئے ممکن تھا

زور لگا کر نیکی کی ہے اور اپنے فرائض کو ادا کیا ہے تو ایک انصاف کرنے والا خدا اس سے اس بات کے لیئے باز پرس نہیں کرے گا۔ کہ اس نے اس سے بڑھ کر کیوں نہیں کیا۔ نہ ہی محض بشریت کے نقصوں کی وجہ سے اس پر گرفت کریگا۔ کیونکہ وہ خدا جو اسلام ہمارے سامنے پیش کرتا ہے وُہ ہمارا خالق بھی ہے اور ہمارا ولی یعنی دوست بھی ہے۔ وُہ رحمان اور رحیم ہے۔ اور اس کا رحم بڑا وسیع ہے۔ وہ انسان سے وہ باتیں نہیں چاہتا جنکا کرنا اس کے لیئے ناممکن ہے۔ کیونکہ جس قدر انسان کو طاقت دی گئی ہے اُس سے زیادہ کے لیئے وہ مکلّف نہیں۔ جیساکہ قرآن شریف کی صاف تعلیم ہے لایکلف اللّٰہ نفسًا الا وُسعھا۔ اللہ تعالےٰ کسی جان پر اُس کی وسعت سے بڑھکر بوجھ نہیں ڈالتا۔ اسلام کا خدا رؤف و رحیم خدا ہے۔ یعنی اُس کا تعلّق انسان کے ساتھ مہربانی اور محبت کا تعلّق ہے۔ اور یہ تعلّق غریب اور امیر کے ساتھ یکسان ہے۔ ہاں بے زبان مخلوق پر بھی اسکا رحم ہے۔ اور ہر ایک زمین پر چلنے والا جانور اور ہوا میں اڑنیوالا پرند اُس کی مخلوق ہونے کی وجہ سے اسی طرح اُس کے رحم سے فائدہ اُٹھاتا ہے جسطرح انسان اس لیئے ان کو بھی قرآن کریم میں انسانوں کی طرح ایک "امت" کہا گیا ہے۔ جیساکہ فرمایا دما من دابۃ فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیہ الا اُمم امثالکم پس مذہب اسلام ایک انصاف کا مذہب ہے۔ وہ انصاف کی تعلیم دیتا ہے۔ اس کے تمام اصول انصاف پر مبنی ہیں۔

عیسائی مذہب میں اس قدر ناقابل اعتبار واقعات۔ اس قدر پراگندہ بیانات اور متضاد عقائد ہیں۔ کہ جو شخص ایمانداری سے کام لے اُسے اپنے اندر کم از کم اس بات کا ضرور اعتراف کرنا پڑے گا۔ کہ وہ ایسے مذہب کو علےٰ البصیرۃ نہیں مان سکتا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ عیسائی واعظین ہمیشہ اپنے پیروؤں کو یہ تعلیم دیتے ہیں۔ کہ مذہب کے معاملات میں وُہ اپنے عقل و فکر کو دخل نہ دیں۔ انکو کہا جاتا ہے۔ کہ وُہ آنکھیں بند کرکے اور بلا عذران تمام عقیدہ ہائے لاینحل کو مان لیں۔ جن پر عیسائی مذہب کی بُنیاد ہے۔ کیا یہ انصاف ہے؟ پھر عیسائیت کسی شخص کو اپنے روزمرہ کے کاروبار کے متعلق کوئی راہ نہیں بتاتی۔ کوئی ہدائت نہیں دیتی۔ پس ایک طرف اگر خدا ایسا پیش کیا جاتا ہے۔ تو دوسری طرف کتاب بھی ایک کہانی ہے۔ اور دونوں انسان کی عقل کو چکرا دیتے ہیں۔ اس کے بالمقابل اسلام کو دیکھو کیا صاف صاف اور کھلی ہدایات نہ صرف

انسان کی رُوحانی زندگی کے لیئے عطا فرماتا ہے۔ بلکہ اس کی روزمرّہ ضرورّیات میں بھی سچے رہنما کا کام دیتا ہے۔ شرابخوری۔ قماربازی اور زناکاری کے انسداد سے اسلام نے اپنے پیرؤوں کو ان تین سب سے بُری بلاؤں سے نجات دی ہے۔ جو یورپین ممالک کے لیئے لعنت ہو رہی ہیں۔

بائیبل کوئی ہدایات انسان کے روزمرّہ ضروریات کے لیئے نہیں دیتی۔ مگر قرآن شریف ہر ایک بات میں ہمارا ہادی ہے۔ یہاں تک کہ ایک دُوسرے سے گفتگو کرنے میں بھی ہمیں ہدایات دیتا ہے اور گھر کے اندر اور گھر کے باہر جو کچھ انسان کو امور پیش آتے ہیں اُن سب میں ہمارے لئے قواعد مقرر کر دیے ہیں یہ کون سا انصاف ہے۔ کہ عیسائی ایک آدمی کو محض اس لیئے جہنمی قرار دیتے ہیں کہ وہ بعض لاینحل عقدوں کو قبول نہیں کرتا۔ بعض کہانیوں پر ایمان نہیں لاتا۔ اور بعض ناقابل عمل باتوں کو نہیں مانتا۔ دُوسری طرف اسلام ہے جو دوسرے مذاہب سے بھی انصاف کا معاملہ کرتا ہے۔ اور ان میں بھی صداقتوں کا ہونا تسلیم کرتا ہے۔ مگر عیسائیت تو ان بچّوں کو بھی جہنمی قرار دیتے ہیں جنھوں نے ابھی بپتسمہ نہیں لیا۔ خواہ وہ عیسائی والدین کے بچّے ہی ہوں اور اُن کو ابدی جہنّم کا وارث بناتی ہے۔ کیا یہ انصاف ہے؟ انصاف تو چاہتا ہے کہ انسان کو کچھ آزادی بھی ملے۔ مگر یہ کیا انصاف ہے۔ کہ انسان کو اپنی عقل کو استعمال میں لانے اور تدبّر کرنے سے بھی روکا جاتا ہے۔ جو لوگ اسلام کا مطالعہ تعصّب سے خالی ہو کر کریں گے وُہ دیکھ لیں گے۔ کہ اسلام ہر ایک کے لیئے ہر ایک معاملہ میں انصاف کا اصول بتاتا ہے۔ یہ ایک بُہت ہی قابل قدر اور بڑا عظیم الشان مذہب ہے۔ کیونکہ یہ دُوسروں کی برداشت سکھاتا اور ہر ایک شخص کو انصاف کی راہ پر چلاتا ہے۔

ایک اور پہاڑی پر وعظ

(از بشیر)

انجیل میں جس پہاڑی وعظ کا ذکر ہے اسکے کوئی چھ سو سال بعد ایک اور پہاڑی پر ایک عظیم الشان انسان کے وعظ کا ذکر تاریخ میں پایا جاتا ہے۔ یہ عظیم الشان انسان حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم تھے! اور وُہ پہاڑی جسکے اُوپر آپ نے وعظ کیا۔ مکّہ کی گرد و نواح میں جبل عرفات کی پہاڑی تھی جسکی چوٹی سے آپکے آتشین الفاظ سے

سارا میدان عرفات گونج اٹھا۔ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے صرف چند ماہ پیشتر بیت اللہ کا حج کیا اور یہ آپ کا آخری حج ہونے کی وجہ سے حجۃ الوداع کے نام سے موسوم ہے۔ اس وقت وہ دین جسے آپ لائے تھے سارے عرب میں مقبول ہو چکا تھا۔ اور ہر گوشہ سے لوگ نور اور ہدایت کے حاصل کرنے کیلئے گروہ در گروہ آپکے پاس آتے تھے۔ پس آپکا تبلیغ کا کام اس طرح پر تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔ اور گو آپ کی عمر بہت زیادہ نہ تھی لیکن الٰہی اشارات تھے جن سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ آپکا کام اب تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔ آپکو یقین ہو گیا تھا۔ کہ آپ کے وصال کا وقت بہت قریب ہے۔ کیونکہ وہ غرض جس کے لیئے آپ مبعوث ہوئے تھے پوری ہو چکی۔ یہ ساتویں تاریخ مارچ کی تھی جب ایک کثیر مخلوق کیساتھ آپ میدان عرفات میں پہنچے اور جبل عرفات کی چوٹی پر کھڑے ہو کر آپ نے یوں بیان فرمایا۔

"اے لوگو میری باتوں کو غور سے سنو۔ کیونکہ میں نہیں جانتا۔ کہ اس سال کے بعد مجھے پھر بھی یہ موقع ملے گا یا نہیں کہ میں اسجگہ تمہارے درمیان آکر کھڑا ہوں۔ تمہاری جانیں اور تمہارے مال آپس میں محفوظ اور حرمت والے ہیں۔ اسدن تک کہ تم اپنے مالک کے حضور حاضر ہو۔ ایسے ہی جیسے یہ دن اور یہ مہینہ حرمت والے ہیں اور یاد رکھو کہ تمکو اپنے خداوند کے حضور حاضر ہونا ہوگا۔ جو تم سے تمہارے سارے اعمال کا حساب لیگا۔ ... اے لوگو! تمہارے حقوق تمہاری عورتوں پر ہیں اور تمہاری عورتوں کے حقوق تم پر ہیں ..... اپنی بیویوں سے نیکی اور محبت کا برتاؤ کرو۔ دیکھو تم نے انکو اللہ کے عہد پر لیا ہے۔ اور وہ خدا کے الفاظ سے تم پر حلال کی گئی ہیں ..... تم جس چیز کے امین ٹھیرائے جاؤ اس امانت کا حق پوری وفاداری سے ادا کرو۔ اور ہر ایک قسم کے گناہوں سے بچو!

سود تمہارے لیئے حرام کیا گیا ہے۔ قرضدار صرف راس المال کی رقم واپس ادا کریگا اور اسپر سب سے پہلے میرا عباس ابن عبدالمطلب عمل کریگا ..... آج سے وہ تمام خون کے مطالبات جو ایام جاہلیت سے تعلق رکھتے ہیں اور تمام خون کے جھگڑے موقوف کیئے جاتے ہیں۔ اور سب سے پہلے میرے چچا زادہ حارث بن عبدالمطلب کے خون کا دعوےٰ موقوف سمجھا جائے ..... اور تمہارے غلام جو تمہارے قبضہ میں ہیں انکو وہی کھانا دو جو تم خود کھاتے ہو۔ اور وہی لباس انکو پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو اور اگر وہ کوئی ایسا قصور کریں جو تم انہیں معاف نہیں کر سکتے تو بہتر ہے کہ ان کو الگ کر دو کیونکہ وہ خدا کے بندے ہیں اور سختی کا برتاؤ ان کے ساتھ نہیں ہونا چاہیئے۔ اے لوگو! میری باتوں کو غور سے سنو اور انکو اچھی طرح سمجھ لو۔ جان لو کہ سب مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور تم سب ایک سلسلہ اخوت میں منسلک ہو۔ جو چیز کسی شخص کی ملکیت ہو وہ اسکے بھائی کے لیئے حلال نہیں جبتک کہ وہ خود

اپنی خوشی سے اسکو نہ دے۔ اپنے آپ کو ہر قسم کے ظلم سے اور دوسروں کے حقوق چھیننے سے باز رکھو۔ وہ جو حاضر ہے ان باتوں کو اسے پہنچا دے جو موجود نہیں۔ شاید جس کو بات پہنچائی جائے وہ اسے پہنچانے والے سے زیادہ محفوظ رکھنے والا ہو۔"

یہ وہ الفاظ ہیں جو ہمیشہ کے لیئے ہر گھر اور ہر فرد کے لیئے بھی راحت اور خوشحالی کا موجب ہیں گے اور انسانی سوسائٹی کی ترقی میں سچے رہنما کا کام دیتے رہیں گے۔ کیسی صداقتیں اور کیسی حقائق ہیں۔ کوئی ناقابل عمل بلند پروازیاں ہیں نہ وہمی اور خیالی باتیں ہیں۔ روزمرہ کی زندگی میں معافی اور سخاوت کے عملی سبق میں وہ مقدس رہبر سب سے پہلے خود عملی نمونہ قائم کرتا ہے۔ اس کا مقابلہ زیتونوں کی پہاڑی کی وعظ میں کہاں سے دکھایا جا سکتا ہے۔ جہاں نہ عملی رنگ کی تعلیم ہے اور نہ ہی خود مسلم کا اپنا کوئی عملی نمونہ ہے۔ جو دوسروں کے لیئے تحریک کا موجب ہو۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا پہاڑی وعظ حقیقت در عمل کو اپنے اندر لیئے ہوئے ہر ایک اس کے سچے پیرو کے لئے کامل روشنی اور ہدایت کا موجب ہے اور ادنی اور اعلے دونوں قسم کی طبایع کے لیئے صاف اور عملی اخلاقی ہدایات کا جامع ہے۔ یقیناً اس پہاڑی وعظ کا مقابلہ حضرت مسیح کا پہاڑی وعظ کسی صورت میں نہیں کر سکتا۔ یہاں انسانوں کی روزمرہ زندگی کے لیئے عملی ہدایات اور عملی نمونہ وہاں نرے خیالات اور جذبات جن کا عمل میں آنا ہمیشہ سی ناممکن ثابت ہوا ہے اور اب تک ناممکن ثابت ہو رہا ہے۔ اس وعظ کے اخیر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے اللہ میں نے اپنا پیغام پہنچا دیا اور اپنا کام پورا کر دیا ہے" سامعین کا وہ انبوہ کثیر جو اسوقت حج کے لئے جمع ہو رہا تھا۔ ایک آواز سے بول اٹھا۔ ہاں بیشک آپ نے پہنچا دیا۔ تب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم یوں گویا ہوئے۔ اے خدا تو اس پر گواہ رہیو۔ ہاں دنیا میں صرف ایک ہی انسان ہوا جو بلا خوف تردید یہ لفظ اپنے مونہہ سے نکال سکتا تھا۔ کہ اے خدا میں نے اپنا پیغام پہنچا دیا۔ اور اپنا کام پورا کر دیا ہے۔ یہ لفظ صرف خاتم النبیین کے مونہہ سے ہی سجتے تھے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسے علیہ السلام یوں نہ کہہ سکتے تھے۔ اول الذکر کا کام تو اس کے جانشینوں کے ہاتھ پر پورا ہوا۔ اور موخر الذکر نے صاف الفاظ میں تسلیم کیا کہ وہ ساری صداقتیں نہیں سکھا سکتے۔ اور ان کے لیئے اس وقت تک انتظار کرنے کو فرمایا جبکہ تسلی دہندہ یا فارقلیط آئے۔ جو ساری صداقتیں سکھائیگا۔ نہ صرف کسی پیغمبر کی زندگی میں ہی اس کمال تک اپنے مقصد کو پہنچانے کی نظیر بھی نہیں ملتی بلکہ دوسرے لوگوں کی زندگیاں بھی ایسی نظیر سے خالی ہیں۔ کیا سکندر اعظم یا بونا پارٹ اپنی زندگی کے ختم ہوتے وقت یہ لفظ مونھ سے نکال سکتے تھے۔ کہ میں نے اپنا کام پورا کر دیا۔ یقیناً نہیں پس ساری تاریخ میں نبی عربی محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اپنی نظیر آپ ہی تھے۔ اللھم صلے علی محمد و علے آل محمد وبارك وسلم۔

معاہدات کے متعلق اسلامی تعلیم

یاایھا الذین امنوا اوفوا بالعقود

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو معاہدات کو پورا کرو)

ثلاث من کن فیه فھو منافق خالص اذا حدث کذب واذا عاھد غدر واذا ائتمن خان (جس شخص میں تین باتیں ہوں وُہ پکا منافق ہے۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ جب وعدہ کرے تو اُسے پُورا نہ کرے۔ جب اُس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے)

پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کی سوانح نہ صرف ایک عام شہری کے لئے عملی اخلاق کے اعلےٰ مثالیں پیش کرتی ہے۔ بلکہ ایک مدبر ملکی کو بھی بڑے مفید اخلاقی سبق سکھاتی ہے مُلکی مُعاملات میں پُورا اُترنے کے لئے سب سے بڑھ کر جس چیز کی ضرورت ہے وُہ اعلےٰ درجہ کے اخلاقی قوت ہے۔ کیونکہ مُلکی مُعاملات کا اثر قوموں کی بہبودی اور قومی اخلاق پر پڑتا ہے۔ جب کبھی اِنسان کے اخلاقی احساسات اور اُس کے مادی فوائد میں باہم مقابلہ واقع ہو۔ تو بڑے آدمیوں کا نمونہ اعلےٰ درجہ کا مفید سبق سکھاتا ہے اور انسان کے سامنے وہ راہ کھول دیتا ہے۔ جس پر چلنے میں انسانیت کا اصل شرف ہے۔ مگر ان بڑے آدمیوں میں جس قسم کے اعلےٰ درجہ کے سبق اخلاقی احساسات کے مقابلہ میں رکاوٹوں پر غالب آنے کے۔ اور اعلےٰ درجہ کے مُلکی اخلاق حاصل کرنے کے ہمیں پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ملتے ہیں۔ دُوسرے کسی نبی کی زندگی میں اُن کی نظیر نہیں ملتی۔ مادی تہذیب کی ترقی کے ساتھ قومی معاہدات میں عموماً ایسی مدبرانہ چالیں ہوتی ہیں۔ کہ جب کبھی موقعہ پیش آجائے۔ تو اُن کا توڑنا آسان ہوتا ہے۔ تعلقات بین الاقوام میں نیک نیتی اور صاف دلی معدوم اجزاء ہوتے ہیں۔ پرلے درجہ کے خود غرض اور مادی فوائد کی انتہائی خواہشات نے اخلاق کے اعلےٰ احساسات کو بالکل نابود کردیا ہے۔ قومیں ایک دُوسرے کے برخلاف صدائے احتجاج بلند کرتی۔ اور ایک دُوسرے کو نیک نیتی

کے خلافِ عمل کرنے کا الزام دیتی ہیں۔ اور موجودہ حالات میں ان کو ان کے مذہب نے کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچایا۔

جب ہم بڑے بڑے مذہبی پیشواؤں کی زندگیوں پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو حضرت مسیح کی زندگی میں ہمیں کوئی ایسے واقعات نظر نہیں آتے۔ جن سے آپ کے پیرووں کو عملی سبق ایفائے معاہدات کا مل سکے۔ قومی معاہدات کا تو کیا ذکر ہے۔ مرد اور عورت میں جو معاہدہ ہوتا ہے۔ جو انسانوں کی روزمرہ زندگی کا جزو لازم ہے۔ اس پر بھی مسیح کی زندگی کوئی روشنی نہیں ڈالتی۔ اسلیئے حضرت مسیح نہ تمدنی نہ ملکی اور نہ ہی مذہبی معاملات میں ہمارے لیئے نمونہ کا کام دے سکتے ہیں یہ درحقیقت آپ کی تعلیم کا ایک نقص تھا۔ جس کو آپ خود بھی محسوس کرتے تھے۔ اور جس کی طرف آپ نے یہ کہکر صاف اشارہ کر دیا۔ کہ میرے بعد ایک اور آئے گا جو حقیقی تسلی دھندہ ہو گا۔ اور جو سارے حق کی راہوں پر لوگوں کو چلائے گا۔ تسلی دہندہ کا خطاب حضرت مسیح نے اپنے بعد آنے والے کو اسی لیے دیا۔ کہ اُس کی تعلیم اور اُس کا نمونہ دُنیا کے لیئے حقیقی تسلی اور نجات کا موجب ہونگے وہ معہود تسلی دھندہ جس کی خوشخبری حضرت مسیح نے سنائی۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں جنھوں نے نہ صرف ایک کامل تعلیم ہی دُنیا کے سامنے پیش کی۔ بلکہ اپنے عملی نمونہ سے۔ مذہبی۔ تمدنی۔ اخلاقی۔ ملکی معاملات میں دُنیا کے سامنے ایک راہ کھول دی آپ نبی بھی تھے۔ اور بادشاہ بھی تھے۔ اگر ایک طرف آپ نے صداقت کو پھیلایا۔ اور دُنیا کو راستی کی تعلیم دی۔ اور ہر ایک باطل کا سر کچلا تو دوسری طرف اعلےٰ درجہ کے قانون دنیا کو بتائے اور معاہدات کے ایفا پر خاص زور دیا۔ امانت میں خیانت آپ کے نزدیک کبھی کسی سچے مسلمان کا شیوہ نہ ہو سکتا تھا۔ اس لیئے آپ نے خیانت اور معاہدہ کے خلاف ورزی کو منافق کی علامت بنایا۔ اسلامی اخلاقی قوانین میں ایک عہد شکن منافق ہے۔ اور اس لیئے عہد شکنی ایمان کی شان کے بالکل منافی ہے۔ آپ کی تعلیم صرف لفظوں تک محدود نہ تھی۔ بلکہ آپ نے خود اس تعلیم پر عمل کر کے اور اپنے ساتھیوں سے عمل کرا کر اس تعلیم کو عملی جامہ پہنایا۔

اس عملی حصہ میں سے ہم ایک مثال بطور نمونہ لیتے ہیں۔ ایسی بہت سی مثالیں ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پائی جاتی ہیں۔ مدینہ میں آئے ہوئے آپ کو چھ سال

گذر چکے تھے۔ اور یہاں بھی ان دشمنوں نے جو مکہ میں مسلمانوں کو دکھ دیتے تھے۔ آپکا تعاقب کیا۔ اور آپ کے ساتھ جنگ کرتے رہے۔ ابھی اثناء میں آپ نے یہ ارادہ کیا۔ کہ آپ اس توحید کے پہلے گھر یعنی خانہ کعبہ کی زیارت کریں۔ اور دشمن کی مخالفت کی بھی کوئی پروا نہ کی۔ آپکے ساتھ چودہ سو آدمی عازم حج ہوئے۔ کیوں کہ اُن کو یہ یقین تھا۔ کہ ایام حج میں خانہ کعبہ سے جہاں تمام ملک عرب کے رہنے والے آزادی کے ساتھ جمع ہوئے تھے۔ کوئی اُن کو روکنے والا نہ ہوگا۔ مگر اسلام کے دشمنوں نے اسلام کی مخالفت میں تمام قومی اور مذہبی قوانین کو بالائے طاق رکھ دیا تھا۔ اور اس مقدس قانون کو بھی جو تمام ملکِ عرب میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ یعنی جو شخص حالتِ احرام میں خانہ کعبہ میں حج کے لیئے آئے۔ اسے کوئی روک نہ سکتا تھا۔ توڑ دیا۔ اور ایک مضبوط دستہ فوج کا اس غرض کے لئے بٹھا دیا۔ کہ مسلمانوں کو آگے بڑھنے سے روک دے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایلچی بھیج کر آگے بڑھنے کی اجازت چاہی۔ مگر آپ کے ساتھ نہائت گستاخی کا سلوک کیا گیا۔ بلکہ کچھ تیر بھی چلائے گئے تاہم ان باتوں نے آپ کے ارادہ اور آپ کی عالی حوصلگی پر کچھ اثر نہ کیا۔ آپ کے صحابہ بھی اسّی آدمیوں کو پکڑ لائے۔ مگر اس رؤف ورحیم انسان نے اُن کو معاف کر کے چھوڑ دیا۔ بایں ہمہ قریش کی مخالفت میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ آخر کار ایک عارضی معاہدہ باہم ہوگیا۔ جس کے رُو سے آخر کار آپ کو بلا زیارت خانہ کعبہ واپس آنا پڑا۔ اس معاہدہ کے وقت جو گفتگو یا بحث آپ میں اور فریق مخالف میں ہوئی وہ بھی آپ کی عالی ظرفی اور دشمن کے تشدد کی شہادت دیتی ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کو اس طرح شروع کرایا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مگر قریش نے ان الفاظ کے لکھنے سے انکار کیا۔ اور جس طرح پر اُنھوں نے لکھوانا چاہا۔ اسی پر آپ بھی رضا مند ہوگئے یعنی عنوان معاہدہ بجائے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے جو اسلامی طرز تھی باسمک اللھم رکھا گیا۔ تب آپ نے فرمایا۔ کہ یہ معاہدہ محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے ہے۔ قریش نے پھر مخالفت کی۔ کہ ہم رسول اللہ کا لفظ معاہدہ میں نہ لکھنے دینگے صرف محمد بن عبد اللہ لکھا جائے۔ اس سے مسلمانوں میں سخت جوش اور اشتعال پیدا ہوا لیکن آپ کی طبیعت میں امن پسندی اور حیا زیادہ تھی۔ آپ نے پھر انہی کی بات کو قبول کر لیا

حالانکہ آپ کے صحابہ کو یہ بات سخت ناگوار تھی۔ اس معاہدہ کے شرائط بھی دلچسپ ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ جنگ کو روکنے کے لئے ہر ایک قسم کی سخت شرائط قبول کرنے کے لئے تیار تھے۔ چنانچہ اس صلحنامہ کی شرائط حسب ذیل تھیں:۔

(۱) اگر کوئی شخص قریش میں سے مسلم ہو یا غیر مسلم ولی یا سردار کی اجازت کے بغیر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے گا تو آپ پر لازم ہوگا۔ کہ آپ اسے واپس کردیں۔

(۲) اگر مسلمانوں میں سے کوئی قریش سے جا ملے تو قریش اُسے واپس نہ کریں گے۔

(۳) جو قوم قریش یا مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کرنا چاہے۔ اُس کو حق ہوگا۔ کہ جس فریق کے ساتھ چاہے اتحاد کا معاہدہ کرے۔

(۴) مُسلمان بغیر حج کرنے کے مدینہ کو واپس جائیں۔

(۵) قریش اور مُسلمانوں کے درمیان دس سال تک کوئی جنگ نہ ہوگا۔

(۶) آئندہ سال مُسلمانوں کو حج کرنے کی اجازت ہوگی۔ مگر وُہ تین دن سے زیادہ مکہ میں نہ ٹھیر سکیں گے۔ اور اپنے ہتھیاروں کو کھلا نہ رکھیں گے۔

یہ حدیبیہ کا صلحنامہ کہلاتا ہے۔ اُس کی شرائط بعض لوگوں کے لئے سخت ابتلا کا موجب ہوئیں سرداران قریش میں سے ایک نوجوان نے جو درپردہ مُسلمان تھا۔ مسلمان ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ یہ ابوجندل سہیل کا بیٹا تھا۔ اور اُس کی آمد سے مسلمان مارے خوشی کے پھولے نہ سماتے تھے۔ مگر نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے معاہدہ کی پابندی کے سامنے سب فوائد کو قربان کردیا ابوجندل کے مسلمانوں میں شامل ہوجانے سے اسلام کو تقویت پہنچتی تھی۔ مگر آپ نے اُسے اہل مکہ کے ایلچیوں کے سپرد کردیا۔ پُرجوش نومسلم نے شکایت کی۔ کہ مجھے کیوں واپس کیا جاتا ہے جب میں اپنی خوشی سے آپ کے ساتھ ہوتا ہوں۔ مگر آپ نے اُس کو نصیحت کی اور فرمایا۔ کہ صبر سے کام لو۔ اللہ تعالےٰ کی رضا کے ماتحت اپنے آپ کو کرو اور اُسی پر توکّل کرو۔ وُہ تمہارے لئے اور تمہارے جیسے دُوسرے لوگوں کے لئے کوئی راہ نکال دیگا۔

اُس سے بھی زیادہ ایک اور واقعہ دردناک ہے۔ ایک اور نوجوان صداقت کے پرزور جذبہ سے کھچا ہوا مدینہ چلا آیا۔ مکّہ والوں نے دو ایلچی اُس کی واپسی کے لئے آنحضرت صلّی اللہ

علیہ وسلم کے پاس بھیجے۔ چنانچہ ابو بصیر اُن ایلچیوں کے حوالہ کیا گیا۔ اس پر نوجوان کو سخت مایوسی ہوئی۔ مگر وُہ اپنے ارادہ میں پکا تھا۔ اور اُس نے ٹھان لیا۔ کہ مکّہ میں اب اس حالت میں کبھی واپس نہ جاؤں گا۔ چنانچہ جب ایلچی اُس کو مدینہ سے واپس لیجا رہے تھے تو راستہ میں موقعہ پاکر اُس نے ان دونوں میں سے ایک کی تلوار لی اور مار ڈالا۔ دُوسرا خوف زدہ ہوکر مدینہ واپس پہنچا۔ اور شکایت کی کہ میرا ساتھی مار ڈالا گیا ہے۔ ابو بصیر بھی پیچھے آموجود ہُوا اور اُس نے یہ عذر پیش کیا۔ کہ میں اپنی طاقت سے ان ظالموں کے پنجے سے چھوٹ کر نکلا ہوں اُس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور عرض کیا۔ کہ آپ نے اپنی ذمہ داری کو مجھے قریش کے ایلچیوں کے حوالہ کرکے پُورا کردیا۔ اور اب آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ اور نہ مجھے مدینہ سے واپس کیا جاسکتا ہے۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس عذر کو ایک بہانہ جوئی قرار دیکر یہ دکھادیا۔ کہ آپ صرف الفاظ معاہدہ کے پابند نہ تھے۔ بلکہ سخت ترین مشکلات کے سامنے اس معاہدہ کے منشاء کو پُورا کرنا اپنا فرض اوّلین سمجھتے تھے۔ چنانچہ جب ابو بصیر نے دیکھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس کا عذر قبول کرنے کے لیئے تیار نہیں تو وہ مدینہ سے بھاگ گیا۔ اور ایک ایسی جگہ میں جاکر اقامت اختیار کی۔ جو قریش اور مسلمانوں دونوں دونوں کی سکونت سے باہر تھی۔ اور یہاں اُس کے پاس بہت سے اور اسی قسم کے نومسلم جمع ہوگئے۔ جو مکّہ سے بھاگ کر نکلے تھے۔ مگر جن کو مدینہ میں پناہ ملنے کی امید نہ تھی۔ اس طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مصیبت کو برداشت کیا۔ کہ وہ اُن مسلمانوں کو جن کے دکھوں سے آپکا دل سخت درد میں تھا۔ پھر دکھوں میں پڑنے کے لیئے واپس کریں۔ مگر معاہدہ کو نہ توڑا۔ اور اس طرح پر دُنیا کے سامنے پابندی معاہدہ کا ایک ایسا نمونہ پیش کیا۔ جس کی مثال تاریخ میں دُوسری نہیں ملتی۔ کاش اسی نمونہ پر عیسائی قومیں چلیں تو معاہدات کی آج یہ حالت نہ ہوتی کہ اُن کو "کاغذ کے ٹکڑے" لکھ کر بالکل بے وقعت قرار دیا جاتا۔ اور اس طرح پر صریح بے ایمانی کو مُلکی یا مدبرانہ دانشمندی کے نام کے نیچے چھپایا جاتا۔

اسلام

اسلام کی گذشتہ عظمت و شوکت کی ایک جھلک

اسلام کے اصولوں کا ایک مختصر خاکہ اور مسلمانان زمانہ سلف کی دماغی و علمی ترقیات

(از پروفیسر مراد۔ ایم۔ ایس سی۔ بی اے۔ پروفیسر ایم۔ اے۔ او کالج علیگڈھ)

ابتدائے آفرینش سے خواہ وہ کسی طرح سے بھی ہوئی ہو۔ دنیا کے تمام مذاہب مصلحین اور انبیاء کی یہی کوشش رہی ہے کہ نوع انسان کو کچھ اس کے مفید مطلب عقاید ذہن نشین کرائے جائیں۔ ان عقاید میں توحید الٰہی سب سے ممتاز عقیدہ اور اسی کے پھیلانے میں سب کی کوشش خاص طور پر مشترک رہی ہے۔ لیکن تاریخ پر جہاں تک نظر دوڑائی جائے جہاں تک توحید الٰہی کا سوال ہے۔ تمام مذاہب اور انبیاء سوائے اسلام اور نبیِ اسلام کے اس کوشش میں ناکام نظر آتے ہیں۔ ہندوؤں کو دیکھو تو وہ بے شمار دیوتاؤں کی پوجا کر رہے ہیں اور خود خدا کے اوتار لینے کے عقیدہ کو بھی مانتے ہیں۔ یورپ کے مہذب عیسائی اور دوسرے ممالک کے پیروان مسیح تثلیث پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور تین برابر ایک کے اور ایک برابر تین کے لغو اور محال عقیدہ کو ماننے کے وقت تمام معقولیت اور فلسفہ کو بالائے طاق دھر دیتے ہیں۔ مگر ان دونوں مذہبوں میں اب نئی جان پڑنے لگی ہے۔ اور معقولیت کی ہوا نے تھپیڑے دے دے کر کچھ کچھ جگانا شروع کیا ہے۔ ہندوؤں کے دیوتاؤں اور ٹھاکروں اور عیسائیوں کے ناممکن الفہم تثلیث نے فنا کے گرداب میں منہ چھپانا شروع کیا ہے۔ اور اُن کی جگہ نئے اصلاح شدہ خیالات لیے جاتے ہیں۔ چنانچہ برہمو۔ آریہ سماج عیسائیوں کا موحد فرقہ دراصل حق یعنے توحید الٰہی کے ظہور کا صرف پیش خیمہ ہیں اور بس۔

نبیؐ عرب کا اصلی مشن یہی تھا کہ توحید الٰہی کا دُنیا کو سبق پڑھایا جائے اور اسلام کے اخلاق حقیقی کو لوگوں میں رائج کیا جائے (ہم آگے چل کر بتلائیں گے۔ کہ اسلام ہی تمام دُنیا میں ایک مذہب ہے جو ہر رنگ میں کامل اور قابل عمل مذہب ہے اور دین فطرت انسانی کے مُطابق ہے)۔ آپ کو اپنے مشن میں کہاں تک کامیابی ہوئی۔ یہ اسلام کے اوائل زمانہ کی تاریخ اور ابتدا سے لے کر آج تک مُسلمانوں کے حالات سے ثابت ہو سکتا ہے۔ آپکو ایسی کامیابی ہوئی جس کی نظیر تاریخ پیش کرنے سے عاجز ہے۔

کیا توحید الٰہی کے لیئے تڑپ تھی۔ کہ بستر مرگ پر بھی آنحضرت صلعم کی اگر کوئی دُعا تھی تو یہی تھی۔ کہ خدایا میری قبر کو لوگوں کی عبادتگاہ نہ بنانا۔ اور یہ بھی آپ کا ایک مسلّمہ معجزہ ہے کہ خدا کے فضل سے کبھی کسی مُسلمان نے آپ کی قبر کو سجدہ نہ کیا۔ لاکھوں کی تعداد میں حجاج ہر سال حضورؐ کے روضہ پر حاضر ہوتے ہیں۔ لیکن کوئی نہیں کہہ سکتا۔ کہ آپ کی اس دُعا کے خلاف کوئی واقعہ ظہور پذیر ہُوا ہو۔ اور جو تمام عمر آپ کی تعلیم رہی۔ اُس کے خلاف خود آپ کے روضہ پر کوئی حرکت سرزد ہوئی ہو۔ ہمیشہ آپ کی یہی ہدایت رہی کہ "میں تمہارے جیسا ایک انسان ہوں اور مجھ میں اور تم میں یہی فرق ہے۔ کہ مجھے خدا کی طرف سے وحی ہوتی ہے" ہر ایک مسلمان کم سے کم پانچ وقت نماز میں یہ فقرہ دُہراتا ہے کہ اشھد ان لاالٰہ الا اللہ واشھد ان محمدًا عبدہٗ و رسولہٗ۔ یعنے میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ اللہ کے سوائے کوئی معبُود نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلعم) اُسکا بندہ اور اُس کا رسول ہے۔ پس اسلام کا اصل الاصول خدا کی توحید پر مضبوط اور غیر متزلزل عقیدہ اور اُس کے رسُول کی محبت اور اطاعت ہے۔ ہمارے اعمال اور اخلاق بھی تک اسلامی کہلا سکتے ہیں۔ جب تک ہم قرآن شریف اور نبی کریم صلعم کے احکام کی اطاعت کرتے ہیں۔ کوئی مُسلمان نہیں دعوے کر سکتا۔ کہ وُہ پکا مسلمان ہے جب تک اُس کے قول و فعل اور عقاید قرآن و حدیث اور سنّت نبوی کے مُطابق نہ ہوں۔

ہندوستان کے مسلمانوں میں سے میں ایک بزرگ کا قول نہایت فخر سے پیش کرتا ہوں اور وُہ یہ ہے "کہ اگر مُسلمان اپنے مُردوں کے قدم بقدم نہیں چل سکتے تو وہ زندہ رہنے کے

راز کو ہی نہیں سمجھتے۔ خدا کرے کہ جو ہماری امنگیں اور حوصلے ہیں اُس کے مطابق ہمارا عمل ہو۔ اور تمام زمانوں کی مجموعی عقل اور اپنے گذشتہ عظمت و شوکت اور موجودہ زمانہ کی مہذبانہ طریقوں کو مدّنظر رکھتے ہوئے ہم دیندارانہ اور اسلامی زندگی بسر کریں۔ آمین

مُسلمانوں کو بار بار اللہ تعالے نے حکم دیا ہے کہ اپنے رسول کے قدموں پر چلیں آپکے اُسوۂ حسنہ کی ہمیشہ پیروی کریں۔ آپ کی زندگی ایک نمونہ تھی۔ اور اگر آپ کے اعلےٰ نمونہ اور زندگی بخش اصولوں کی ہم پیروی کریں تو یقیناً دُنیا و آخرت میں ممتاز اور معزز ہو جائیں یہ سچ کہا گیا ہے۔ کہ مُسلمان کو کوئی چیز ہلاک نہیں کر سکتی۔ اس مضمون میں ہم اس امر پر بھی بحث کریں گے۔ بالفعل میں صرف یہ بتلانا چاہتا ہوں۔ کہ اسلام کا اصل الاصول یہ ہے کہ اپنے نبی صلعم کے احکام کی کامل اتباع کی جائے۔ ورنہ وہ شخص مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم اس معیار پر آج مُسلمانوں کو پرکھتے ہیں تو ہم میں سے بہت ہیں جو کمزور اور ناقص نکلتے ہیں۔ یہی کمی اور نقص ہے جس نے مُسلمانوں کی قوم کو عام طور پر بے حس و حرکت بنا رکھا ہے۔ قرآن ایسے احکام سے بھرا پڑا ہے کہ "مسلمانوں کو چاہیئے۔ کہ خدا اور رسولؐ کی اور اولوالامر یعنے ایسے بزرگوں کی اطاعت کریں جو قوم کو بُرے کاموں سے روکیں۔ اور نیک باتوں کے لیئے حکم کریں۔ اور جب ایسے اولی الامر بزرگوں سے بھی کسی امر پر تنازعہ ہو جائے۔ تو پھر خدا اور رسول کی طرف رجوع کریں۔ یہ اُن کے لیئے بہتر ہے۔ اگر وہ خدا اور روز آخرت پر یقین رکھتے ہیں" دوسرے مقام پر قرآن کریم فرماتا ہے کہ "تیرے رب کی قسم یہ کبھی سچے مومن نہیں ہو سکتے۔ جب تک اپنے تمام معاملات میں یہ تجھے حکم نہ بناویں اور تیرے فیصلہ کے آگے بغیر کسی لیت و لعل کے سر تسلیم نہ خم کر دیں اور دل تنگ نہ ہوں"

ابتدائی تاریخ اسلام میں سے آنحضرت صلعم کے ساتھ صحابہ کے اخلاص اور جاں نثاری اور اطاعت و فرمانبرداری کی سیکڑوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ ہر ایک شخص جانتا ہے کہ آنحضرت صلعم حضرت عمر خلیفہ ثانی کو بوجہ ان کی ظاہری و باطنی خوبیوں کے نہایت عزیز رکھتے تھے۔ اور آپ کے حضور میں حضرت عمر کو بہت کچھ عزت و رسوخ حاصل تھا۔

لیکن ایک روز آنحضرت صلعم تشریف رکھتے تھے۔ اور بلال جو ایک غریب مسلمان تھا۔ آپ سے لگ کر نکلا۔ حضرت عمر کو بوجہ آنحضرت صلعم کی عزت وعظمت کے بلال کی یہ حرکت بہت ناگوار ہوئی۔ اور کہا "یہ حبشی کیا کرتا پھرتا ہے" اس پر آنحضرت صلعم نے نہایت نرمی سے فرمایا کہ "اے عمر۔ معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت کی بو ابھی تمہارے دل سے نہیں گئی" حضرت عمر تو یہ فقرہ سن کر سن ہو گئے اور زمین پر غش کھا کر گر پڑے۔ اور جب تک بلال نے ان کی بار بار کی درخواست کو منظور نہ کیا۔ اور اپنی جوتی سے اُن کا سر نہ اٹھایا۔ حضرت عمر زمین تو بہ سے نہ اُٹھے۔ پھر مسلمان اگر زکوٰۃ کو ہی ضروری طور پر اور حکم کے بموجب مناسب طریق پر صرف کریں تو ایک بھی مسلمان فقیر نظر نہ آئے۔ حساب لگاؤ تو صرف ہندوستان کے مسلمان ہی کم سے کم بیس لاکھ روپے خیراتی کاموں کے لیئے زکوٰۃ کی مد میں جمع کر سکتے ہیں۔ یہ زکوٰۃ ہی تھی۔ جس پر مسلمانوں کی عظیم الشان فوج کا دارومدار تھا۔ یہی زکوٰۃ تھی جس سے بیت المال بھرا رہتا تھا۔ جب آنحضرت صلعم نے مکہ سے مدینہ کو ہجرت کی تو بہت سے مکہ کے مسلمانوں نے بھی آپ کے ہمراہ ہجرت کی۔ آنحضرت صلعم کے ارشاد کے مطابق ایک ایک مہاجر ایک ایک انصار کا بھائی بنا دیا گیا۔ مہاجرین کا تو کوئی گھر بار نہ تھا۔ اسلیئے انصار نے اپنے گھروں میں اُن کو جگہ دی۔ جن کے پاس پیسہ نہ تھا۔ انصار نے اپنی دولت اور ملکیت برابر برابر اپنے اور اُن کے درمیان تقسیم کی۔ اور صرف آنحضرت صلعم کی فرماں برداری کی خاطر یہ سب قربانیاں خوشی خوشی کی گئیں۔ اس بے نظیر وحدت کی نظیر تاریخ عالم پیش کرنے سے عاجز ہے۔ نوع انسان کی کسی تاریخ میں اسلامی اخوت مساوات اور حریت سے بہتر اصول نہیں دکھائے جاسکتے۔

اگر کوئی غور اور فکر اور آنکھیں کھول کر قرآن کریم کو پڑھے۔ تو وہ ایسے فقروں کو بار بار دُھرایا جاتا دیکھے گا۔ اور اُن کے متعلق تاکید پر تاکید پا کر حیران رہجاتا ہے۔ جن کا مطلب یہ ہے۔ کہ خدا غور کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ خدا اُن لوگوں سے محبت رکھتا ہے۔ جو علم سیکھتے اور راسخ فی العلم ہوتے ہیں" اسلام تو مذہب ہی ایسا ہے۔ کہ وہ جہالت اور عدم تفکر کا دشمن ہے۔ تمام مسلمانوں کا فرض ہے۔ کہ وہ کم سے کم قرآن و حدیث کو پڑھیں اور بخوبی

سمجھیں۔ اسلام تو سر سے پاؤں تک ایک مشنری مذہب ہے۔ کوئی مسلمان بھی جو مبلغ بننا چاہتا ہے۔ علوم مروجہ کے متعلق اپنی لاعلمی کا اظہار کرنے کا حق نہیں رکھتا۔

علاوہ علم کے ذاتی فوائد کے اسلام نے طلب علم کے بڑے بڑے ثواب اور اجر رکھے ہیں مسلمانوں کو بتایا گیا ہے۔ کہ علم سیکھنے اور سکھانے سے وُہ اپنے خالق و مالک کو خوش کر سکتے ہیں۔ مثلاً فرمایا ہے۔ کہ :" علم حاصل کرو۔ کیونکہ جو خدا کی رضا کے لیئے علم حاصل کرتا ہے وہ تقوے اور دینداری کی راہ اختیار کرتا ہے۔ جو علم کا ذکر کرتا ہے۔ وہ اپنے رب کی حمد و ثنا کرتا ہے۔ جو علمی بحث کرتا ہے وہ ایک جہاد کرتا ہے (مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے۔ کہ بد قسمتی سے اسلامی اصطلاح جہاد کی معنی میں بہت غلط فہمی سے کام لیا گیا ہے۔ جو لوگ ان غلط فہمیوں کا شکار ہیں۔ وہ کم سے کم آنحضرت صلعم کی اس حدیث پر ہی غور کریں۔ جس میں علمی بحث کو جہاد کے لفظ سے تعبیر کیا ہے) جو علم کو طلب کرتا ہے۔ وُہ خدا کی تعریف کرتا ہے۔ جو اس میں اجتہاد کرتا ہے۔ وُہ صدقات دیتا ہے۔ اور جو قابل طلبا کو علم سکھاتا ہے وُہ خدا کی عبادت کرتا ہے۔"

آنحضرت صلعم نے علم کی عظمت اور قدر و قیمت کے متعلق بہت زور سے ہدایات فرمائی ہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ" طلب علم ہر ایک مسلمان مرد اور مسلمان عورت پر فرض ہے۔" اگر ہم آج اس پر عمل کرتے ہوتے تو زنانہ تعلیم اس قدر ادنے حالت میں کیوں ہوتی۔ مفصلہ ذیل تمثیلوں سے صاف نظر آئے گا۔ کہ مسلمان اپنے ابتدائی اور عروج کے زمانہ میں علم کے بڑے پرجوش شیدائی اور محب تھے۔ اگر ہمیں مسلمان ہونے کا دعوےٰ ہے۔ تو پھر یہ بھی ہمارا فرض ہے۔ کہ تمام دُنیا کو علم کی روشنی سے منوّر کردیں۔ ہم کو تو یہ حکم ہے۔ کہ دُنیا کے پرلے سرے پر بھی اگر جانا پڑے تو جا کر علم سیکھو۔

یہ بھی آنحضرت صلعم ہی کا ارشاد ہے کہ" عالم کی سیاہی شہیدوں کے خون سے زیادہ مقدس ہے۔" (دیکھو سید امیر علی کی کتاب اسپرٹ آف اسلام) " جو علم کی تلاش میں گھر سے نکلتا ہے۔ وُہ خدا کی راہ پر قدم مارتا ہے۔" " جو علم کی تلاش میں سفر کرتا ہے خدا اُسے فردوس بریں کی راہ دکھاتا ہے۔"

مسلمانوں کی موجودہ تنزل یافتہ حالت سے جو تعلیمی اور علمی امور میں ہے یہ بدگمانی پیدا ہوتی ہے۔ کہ ہم ہمیشہ سے ہی علم سے ایسے ہی بے بہرہ اور اجنبی تھے۔ لیکن یہ پرلے درجہ کا غلط خیال اور بدگمانی ہے۔ جو کچھ اسلام کے نبیؐ نے علم و سائنس کے متعلق فرمایا۔ اُس کو سنو اور غور کرو اور پھر ہم آپ کو گذشتہ عظمت و شوکت جو علمی امور میں ہم کو حاصل تھی بتلائیں گے۔

آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے " ہزارہا شہداء کے جنازوں میں شامل ہونے یا ہزارہا راتوں کی عبادت سے ایک گھنٹہ علمی باتیں سُننا زیادہ ثواب رکھتا ہے" "خالق کی قدرت کے کارناموں میں ایک گھنٹہ غور کرنا ستر برس کی عبادت سے بڑھ کر ہے" پھر علم کی وقعت مُسلمانوں کے دلوں میں بڑھانے کے لیئے مسلمانوں کو کس قدر پر زور الفاظ میں تاکید فرمائی ہے کہ " جو عالم کی عزت کرتا ہے وہ میری عزت کرتا ہے" حضرت علی فرماتے ہیں " علم میں فضیلت تمام عزتوں سے بڑھ کر ہے"

" علم صاحبِ علم کو امر و نواہی میں فرق کرنا سکھاتا ہے۔ یہ جنت کی راہ کو روشن کرتا ہے یہ بیابان میں ہمارا رفیق اور تنہائی میں ہمارا مونس ہے۔ جب کوئی دوست نہ ہو تو یہ ہمارا ساتھی ہوتا ہے ... علم کے ذریعہ خدا کا بندہ نیکی کے انتہائی مقام کو حاصل کرتا ہے۔ اور علم عالمِ آخرت کی خوشیوں کو اپنے کمال پر پہنچاتا ہے" سائنس کی تعریف حضرت امام جعفر صادق نے جو کی ہے۔ قابل توجہ ہے " اُس کا جوہر ہے دل کو روشن کرنا۔ اس کا مقصد ہے سچائی اُس کا رہنما ہے الہام۔ اُس کو قبول کرنے والی ہے عقل۔ اُس کو الہام کرنے والا ہے خدا اُس کو بیان کرنے والے ہیں انسان کے الفاظ"

اب آؤ ذرا تاریخ اسلام پر نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ مسلمانوں نے کبھی طلب علم کے اُن پاکیزہ اور موکد اصولوں پر عمل بھی کیا ہے یا نہیں۔ امام ابن جوزی جو ایک بڑا شخص گذرا ہے۔ اپنے باپ کی وفات پر تین برس کا یتیم رہ گیا تھا۔ اُس کی پھوپھی نے اُسے پرورش کیا (ذرا اُس زمانہ کے مذاق کا اس ایک ہی واقعہ سے ناظرین اندازہ کر لیں) پھوپھی کو بھتیجے کی تعلیم کا یہاں تک خیال تھا۔ کہ ابھی وہ پانچ سال ہی کا تھا۔ تو پھوپھی اُسے اسلام کے اعلےٰ درجہ کے علماء و فضلاء کی درس گاہوں میں لیجایا کرتی تھی۔ اور اس

کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابن جوزی ابھی دس سال کا ہی تھا۔ جو ممبر پہ کھڑا ہو کر وعظ کیا کرتا تھا۔ اور اپنے زمانہ کے عظیم الشان لوگوں میں سے ہوا۔

اس سے بھی زیادہ تعجب خیز اور مفید مطلب واقعہ امام ربیعۃ الرے کا ہے جو امام مالک اور خواجہ حسن بصری کے اُستاد تھے۔ اس واقعہ سے ہم صرف یہی دکھانا نہیں چاہتے۔ کہ اسلام کے عروج کے زمانہ میں مسلمانوں کو کس قدر علم سے محبت اور شغف تھا۔ بلکہ یہ بھی بتانا مقصود ہے۔ کہ مسلم خواتین کو علم کا کس قدر شوق تھا۔ امام موصوف کے والد خلفائے بنو امیہ کی فوج میں سپاہی تھے۔ اور امام موصوف جب پیدا ہوئے تو اُن کے والد اُس وقت موجود نہ تھے بلکہ خراسان کی طرف گئے ہوئے تھے۔ ربیعہ کی والدہ نے اگرچہ وہ تنہا تھیں۔ مگر ربیعہ کی تعلیم میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ اور ان کو اعلےٰ سے اعلےٰ تعلیم دلانے کی خاطر تمام مال و اسباب اور سارے کا سارا اندوختہ خرچ کر دیا۔ ربیعہ کے والد تو جنگی مہم پر تھے۔ اس لیئے اس تمام مدت میں ربیعہ کی ماں ہی اپنے بیٹے کی تعلیم کی تکمیل کے لیئے ہر ایک سامان مُہیا کرتی رہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ربیعہ اپنے زمانہ کے عظیم الشان علماء و فضلاء میں سے ہو گئے اور بڑے بھاری امام بن گئے۔ اُن کے والد ستائیس سال کے بعد واپس آئے۔ اور اپنی بیوی سے یہ سُن کر نہایت حیران ہوئے۔ کہ انھوں نے تمام مال و اسباب خرچ کر دیا ہے۔ جو وہ اپنی بیوی کے پاس چھوڑ گئے تھے۔ یہاں تک کہ تیس ہزار اشرفیاں بھی جو اُن کے پاس موجود تھیں خرچ ہو چکی تھیں۔ اس پر ربیعہ کے والد نے اپنی بیوی سے جواب طلب کیا۔ لیکن اس عقلمند عورت نے دانستہ اس جھگڑے کو اس وقت تک ملتوی رکھا۔ جب تک کہ باپ بیٹوں کی ملاقات نہ ہولے۔ اور بیٹے کی قابلیت کو باپ جانچ نہ لے۔ اسی اثناء میں ربیعہ الرے پڑوس کی مسجد میں کثیر التعداد طلباء کو درس دے رہے تھے۔ جب باپ مسجد میں نماز پڑھنے گیا تو وہ ایک نوجوان شخص کو جس کی عمر اُس کے بیٹے کے برابر ہو گی سامعین کے ایک بہت بڑے مجمع میں بیٹھا ہوا دیکھ کر حیران رہ گیا۔ لیکن جب اُسے پتہ لگا۔ کہ یہ شیخ زمن اُسی کا بیٹا ہے۔ تو اُس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ گھر آ کر اُس نے اپنے بیٹے سے ملاقات کا سارا ماجرا بیان کیا۔ اور اُسے نہایت تسلّی ہو گئی۔ جب اُس کی بیوی نے بتلایا کہ

تیس ہزار اشرفی اُس کے بیٹے کی ہی تعلیم میں خرچ ہوئے۔

یہ بات سرسری نہیں بلکہ قابل غور ہے۔ کہ ایک سپاہی کی بیوی میں یہ عقل اور یہ مذاق علمی ہو۔ کہ شوہر کی غیر حاضری میں جب ہر طرح کی تنگی کا اندیشہ ہو تیس ہزار اشرفی بیٹے کی تعلیم پر خرچ کر دے۔ اِس کی وجہ یہی ہے کہ تمام قوم مُسلمانوں کی اُس وقت اعلےٰ تعلیم کو سب سے بڑھ کر ضروری سمجھتی تھی۔ نہ صرف درمیانی طبقہ ہی طلب علم کا شائق تھا۔ بلکہ امرا، اور شاہی خاندان کے لوگ بھی ویسے ہی علم کے خواہاں تھے۔

یہ ایک واقعہ ہے۔ کہ زمانہ سلف کے مُسلمانوں کی راہ میں وُہ مشکلات روک نہیں ڈال سکتی تھیں۔ جو آج ہمارے رستے میں روک ڈال دیتی ہیں۔ اور جن کو ہم لاینحل تسلیم کر کے ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔ علم کی تلاش میں افلاس بُعد مسافت۔ کتابوں کی قلت۔ سفر کی تکالیف وخطرات کوئی چیز بھی تو حائل نہ ہوتی تھی۔ امام بخاری جو علم حدیث کے سب سے بڑے امام ہیں۔ جنھوں نے چھ لاکھ حدیثیں حفظ کیں۔ اور جنھوں نے سولہ سال کی کوشش میں اپنی کتاب صحیح بخاری لکھی۔ جب طالب علم کی حیثیت میں سفر کر رہے تھے تو ایک دفعہ متواتر تین دن تک جنگل کی جڑی بوٹیوں پر گذارہ کیا۔ ایک اور حدیث کے عالم حجاج بغدادی جب علم کی تلاش میں گھر سے نکلے تو سو روٹیاں باندھ کر ساتھ لے چلے۔ لیکن سوائے چند کتابوں اور ان روٹیوں کے دُنیا کے پردہ پر اُن کی ملکیت کچھ اور نہ تھی۔ ان سو روٹیوں کے ساتھ اُنھوں نے اپنے اُستاد شبابہ کے ساتھ کچھ عرصہ گذارا۔ لیکن جب یہ ختم ہو چکیں تو اُن کو مجبُوراً اپنے اُستاد کی علمی صحبت کو خیر باد کہنا پڑا۔ آپ لوگ حیرت سے سوال کرینگے کہ بغیر سالن کے وہ ایسی خشک روٹیاں کس طرح کھاتے رہے؟۔ لیکن اُنھوں نے ایک عجیب طریقہ کھانے کا ایجاد کیا تھا۔ وہ یہ تھا۔ کہ دریائے دجلہ کے کنارے بیٹھ کر اُسکے پانی میں بھگو بھگو کر کھایا کرتے تھے۔

اگلے زمانہ کے مُسلمان صرف دینی علوم ہی سیکھنے کے شائق نہ تھے۔ بلکہ دیگر علوم میں بھی اُن کی پیاس ویسی ہی تھی۔ اور اُس کے حصُول کے لیئے جہاں تک ممکن ہو سکتا تمام معلومہ دُنیا میں سفر کرتے تھے۔ اندلس کا مشہُور حکیم ابن رومیہ اُن جڑی بوٹیوں اور نباتات کے

تجربہ اور مشاہدہ کے لیئے جو مغرب میں حل نہ سکتی تھیں۔ اسپین سے مصر تک اور مصر سے شام تک پیادہ پا گیا۔ اسی طرح مشہور علم نباتات کا ماہر ضیاء الدین ابن بیطار تمام یونان اسپین اور ایشیائے کوچک میں اُن ملکوں کی نباتات کے مطالعہ کے لیئے سفر کرتا پھرا۔ ابو المنظور نے پودوں اور بوٹیوں کے کئی نئے اقسام دریافت کیئے جو پہلوں کو معلوم نہ تھے۔ وہ ان پودوں کے نشو و نما اور اُن کی بالیدگی کے مختلف درجات کو غور سے مطالعہ کیا کرتا تھا اور ہمیشہ ایک مصور مع ہر ایک قسم کے رنگ کی سیاہیوں کے اپنے ساتھ رکھا کرتا تھا۔ اور ان پودوں کی زندگی اور نشو و نما کی مختلف حالتوں کا نقشہ تصویر کے ذریعہ محفوظ رکھتا تھا اس بات کا نہایت افسوس ہے۔ کہ اگلے مسلمانوں کی اس قسم کی بعض نہایت اعلےٰ درجہ کی کتابیں ضائع ہوگئیں۔ جن کا اب پتہ نہیں ملتا۔ ہمیں صرف اُس زمانہ کی دیگر تصنیفات سے اِن کتابوں کا پتہ ملتا ہے۔

مشہور عالم امام رازی نے علم کی تلاش میں جو سفر اختیار کیئے۔ اُن میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ امام موصوف مع اپنے دو ساتھیوں کے ایک بحری سفر کے بعد نہایت افلاس کی حالت میں رہ گئے۔ لکھتے ہیں۔ کہ "ہم تین دن تک متواتر پیادہ پا بغیر کسی کھانے پینے کے چلتے رہے۔ یہاں تک کہ صبر کی باگ ہاتھ سے نکلنے لگی۔ ہمارے ساتھیوں میں سے ایک جو بہت بوڑھا تھا۔ بے ہوش ہوگیا۔ لیکن جان عزیز کی خاطر ہمیں اس کو اس بے بسی کے عالم میں چھوڑ کر آگے چلنا پڑا۔ کچھ دور چل کر میں بھی بیہوش ہو کر گر گیا۔ اور جس طرح ہم نے بڑے میاں کو چھوڑا تھا۔ میرے ساتھی نے مجھے بھی میری تقدیر پہ چھوڑ دیا۔ خوش قسمتی سے میرے ساتھی نے ایک کشتی دیکھی۔ اور امداد کے لیئے اپنے کمبل کو زور سے ہلایا۔ یہاں تک کشتی والوں کی توجہ اُس کی طرف مبذول ہوئی اور اُس کے نزدیک آئے۔ اُنھوں نے اُسے پینے کو کچھ پانی دیا۔ اور جب اُس کے کچھ حواس بحال ہوئے تو اُس نے میرا اور بوڑھے میاں کا ذکر کیا۔ اس طرح ہم سب کی جان بچ گئی"

اس مضمون کے ختم کرنے سے پہلے ہم علم کی پیاس اور اُس کے حصول کے لیئے کمال سرگرمی و توجہ کی۔ ایک اور دل ہلا دینے والی مثال پیش کرتے ہیں۔ حکیم ابو نصر فارابی کی نسبت کہا

جاتا ہے۔ کہ افلاطون کی بعض تصانیف اُس نے کم سے کم سیکڑوں مرتبہ پڑھی ہیں اسی طرح شیخ ابو سینا (جسے انگریزی میں اوی سینا کہتے ہیں۔ اسی طرح ابن رشد کو بگاڑ کر انگریزی میں اوے ردس کہتے ہیں) کی حکایت بیان کی جاتی ہے۔ کہ طالبعلمی کیحالت میں علوم باطنی کی ایک کتاب وہ کم سے کم چالیس ۴۰ مرتبہ بغیر ایک لفظ سمجھنے کے پڑھتا رہا آخر مایوس ہو کر اُس نے چھوڑ دیا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد اُس کو ایک کتاب فروش نے ایک کتاب نہایت سستی قیمت پر دینی چاہی۔ اُس نے لینے سے انکار کیا۔ کیونکہ وُہ اسی علم باطنی پر لکھی ہوئی تھی۔ جس میں اتنا عرصہ دردِ سر پہلے کر چکا تھا۔ لیکن کتاب فروش نے اِس خیال سے زور دیا۔ کہ کتاب ایک غریب آدمی کی تھی۔ شیخ کہتے ہیں کہ یہ کتاب فارابی کی تصنیف تھی۔ اور علم باطنی کی شرح تھی۔ اِس کے مطالعہ سے اس علم کی اصول میری سمجھ میں آگئے" اس طرح اُس عظیم الشان فلسفی کے سلسلۂ علوم کی ابتداء شروع ہوئی جس کے پھل آج تک خود یورپ بھی کھا رہا ہے +

ماخوذ از اسلامک ریویو ۱۵ مئی ۱۹۱۵ء

آنحضرت صلعم میں صداقت و دیانت کا ایک کامل نمونہ

جسدن آنحضرت صلعم کا بیٹا جناب ابراہیمؑ فوت ہوئے۔ اتفاق سے اُسی دن سُورج گرہن بھی تھا۔ ان دو واقعات کے ایک ہی دن جمع ہونے نے بعض عربوں پر خاص اثر کیا۔ وہ سمجھے کہ اس واقعہ وفات پر سورج نے ماتمی لباس پہنا۔ یعنی خدا کے نبی کے غم کے شریک اجرام فلکیہ بھی ہو گئے ہیں۔ وہ سب کے سب جمع ہو کر آپ کے دروازہ پر آئے اور عرض کی کہ ہمیں اسلام میں داخل کریں۔ آنحضرت صلعم نے جب سارا واقعہ سُنا۔ اور دیکھا۔ کہ ایک غلط قیاس نے اُن پر یہ اثر کیا ہے۔ آپ نے صاف الفاظ میں اُن کو یہ سمجھا دیا کہ ان واقعات سماوی کو کسی انسان کی موت یا حیات سے کوئی تعلق نہیں ہُوا کرتا۔ اور اگر اس واقعہ نے اُن کو اسلام کی طرف مائل کیا ہے۔ تو وُہ غلطی کرتے ہیں۔ بہتر ہے کہ وُہ چلے جاویں۔ چنانچہ انہیں سے

اکثر بغیر اسلام قبول کیے واپس ہو گئے۔

کیا دیانت و امانت و راست گفتاری کا بہترین نمونہ اور بھی ہو سکتا ہے ؟ یا یہ طریق عمل کسی مفتری علی اللہ کا ہو سکتا ہے۔ آپ کی بعثت کے یہ تو بالکل ابتدائی دن تھے۔ اپنے پیروؤں کی تعداد بڑھانے کا اس سے بہتر اور کون سا موقع ہو سکتا تھا۔ خصوصاً جبکہ آپ کے متبعین کی تعداد بالکل تھوڑی تھی۔ لیکن اس اخلاق کے مجسم اور شریف دل نبی صلعم نے راست بازی کا وہ نمونہ قائم کیا جس کی نظیر دنیا میں نظر نہیں آتی۔ توہم پرست قوم کی غلط فہمی سے ناجائز فائدہ اٹھانا۔ اس وقت کون سا مشکل کام تھا۔ اگر اس موقع پر آپ خاموش ہی رہ جاتے تو بھی مطلب تو حل ہو جاتا۔ لیکن مخبر صادق نے توہم پرستی کے مذبح پر دیانت کو قربان کرنا چاہا۔ اس نے ایسے لوگوں کو اسلام میں داخل کرنا پسند نہ کیا۔ جو اسلام کی حقیقت سمجھے بغیر اسلام کی طرف آنا چاہتے تھے۔ کیا ایسا انسان بزور شمشیر کسی کو اسلام میں داخل کر سکتا تھا۔ ایسا قیاس پرلے درجہ کی جہالت ہے۔ دیکھو کس صفائی سے قرآن کی ذیل کی یہ آیات ؂ لوگوں کو سناتا ہے۔

"اے پیغمبر! لوگوں کو کہدے کہ نہ تو میرے پاس کوئی خزانہ ہے نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں۔ نہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو ایک نظیر ہوں۔ ہاں مجھے خدا کی وحی آئی"

دیکھو۔ کیا ایسا ہادی کسی لالچ کے ذریعے۔ کسی رعب کے ذریعے کسی تخفیف سے یا تحریص سے کسی کو اسلام کی طرف بلا سکتا ہے۔ اس نے یہ کہکر حریصوں کو عجوبہ پسندوں کو پرستاران توہم کو اپنے سے الگ کیا۔ عیسائی دنیا غور کرے۔ ایک تو یہ نبی جس کی صاف گوئی لوگوں کو اسکی طرف دیوانہ وار لا رہی ہے۔ اور ایک وہ بھی ہے کہ جس کے پاس تخت داؤد کو واپس لینے کی تمنا لوگوں کو لاکر حواری بنا رہی ہے۔ جن میں سے بعض اسی خیال میں رہے۔ کہ جب وہ تخت داؤد پر بیٹھے گا۔ تو اپنے دائیں بائیں ان کی اولاد کو بٹھائے گا۔ ؂

ببیں تفاوت راہ از کجا است تا بکجا۔

بشارت احمدؐ۔

اسلام کیا کچھ کر سکتا ہے

از کینن آئزک ٹیلر

"پادری کینن آئزک ٹیلر نے کہا۔ کہ دُنیا کے بہت بڑے حصّہ میں اسلام بحیثیت ایک تبلیغی مذہب کے عیسائیت سے بہت زیادہ کامیاب مذہب ثابت ہؤا ہے۔ نہ صرف یہی۔ کہ بُت پرستوں میں سے بہ نسبت عیسائیت کے اسلام میں لوگ زیادہ داخل ہوتے ہیں۔ بلکہ بعض مقامات میں تو عیسائیت کو اسلام کے مقابلہ میں شکست فاش ہوئی ہے۔ اور مُسلمانوں کو عیسائی بنانے کی کوشش تو صریح طور پر ناکام ہوئی ہے۔ ہم مزید فتوحات تو کیا کریں گے۔ اپنے پہلے مقام پر ہی قائم رہنا مشکل ہو گیا ہے۔ مذہب اسلام مراکو سے لے کر جاوا تک اور زنجبار سے لے کر چین تک پھیلا ہؤا ہے۔ اور افریقہ میں تو خارق عادت سرعت سے ترقی کر رہا ہے۔ کانگو اور زیمبزی میں اس کے پاؤں جم گئے ہیں۔ اور یوگنڈا جو حبشی ریاستوں میں سب سے زیادہ طاقتور ہے۔ حال میں ہی مُسلمان ہوئی ہے ہندوستان میں مغربی تہذیب نے جو ہندو مذہب کو اُڑانے کے لیئے مخفی سُرنگ لگائی ہے۔ وہ بھی دراصل اسلام کے لیئے ہی راہ صاف کر رہی ہے۔ ہندوستان کی ساڑھے پچیس کروڑ کی آبادی میں سے پانچ کروڑ مُسلمان ہیں۔ (یہ غلط ہے۔ ۳۰ کروڑ آبادی میں سے سات کروڑ مسلمان ہیں۔ ایڈیٹر) اور افریقہ کی کل آبادی میں سے نصف سے زیادہ مسلمان ہیں۔ پھر صرف یہی نہیں۔ کہ اسلام سُرعت سے پھیل ہی رہا ہے۔ بلکہ جہاں پھیل جاتا ہے وہاں اُس کی گرفت ایسی زبردست ہوتی ہے کہ پھر نکل نہیں سکتا۔ عیسائیت کی گرفت ایسی زبردست نہیں۔ چنانچہ جہاں ہندوستان

اور افریقہ میں عیسائیت اسلام کے آگے شکست خوردہ ہوچکی ہے۔ وہاں جمیکا میں جو حبشی برائے نام عیسائی ہیں۔ وہ اپنے پرانے اوبی مذہب کی طرف پھر واپس جا رہے ہیں۔ حالانکہ کوئی افریقی قوم اسلام لانے کے بعد کبھی واپس بُت پرستی کی طرف نہیں جاتی۔ اور نہ عیسائیت کی طرف آتی ہے۔

"اسلام نے عیسائیت کی نسبت زیادہ تہذیب پھیلائی ہے۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ مجھے پادریوں کے بیانات پر کچھ شبہ ہے۔" لیکن میں انگریز افسروں کے یا سیاحوں کے مثلاً برٹن۔ پوپ ہنسی۔ گالٹن۔ بالگریو۔ ٹامپسن یا ریڈ کے بیانات کو لیتا ہوں اور اسلام کے عملی کارنامے اُن سے اخذ کرتا ہوں:۔ جب ایک حبشی قوم اسلام قبول کرتی ہے تو بت پرستی۔ شیطان پرستی۔ دیوتا پرستی۔ مردم خوری۔ انسانی قربانی بچہ کشی۔ جادوگری سب کی سب اُس قوم سے معدوم ہوجاتی ہے۔ برہنگی کی بجائے پوشاک رائج ہوجاتی ہے۔ گندگی کی جگہ صفائی اور طہارت لے لیتی ہے۔ اور اُن میں وقار اور وضعداری پیدا ہوجاتی ہے۔ مہمان نوازی ایک مذہبی رکن سمجھا جاتا ہے شراب خوری کا نشان نہیں رہتا۔ جُوا حرام ہوجاتا ہے۔ بے حیائی کا ناچ اور مرد و عورت کا باہم اختلاط بند ہوجاتا ہے۔ عصمت و عفت عورت کے لیئے نیکی سمجھی جانے لگتی ہے۔ کاہلی و سستی کی جگہ صنعت و حرفت لے لیتی ہے۔ اباحت کی جگہ قانون لے لیتا ہے۔ تہذیب اور تقوےٰ پھیل جاتا ہے۔ خانہ جنگیاں۔ جانوروں اور غلاموں پر ظلم روک دیئے جاتے ہیں۔" انسانیت۔ احسان اور اخوت دلوں میں گھر کرجاتی ہے۔ کثیر الازدواجی اور غلامی ایک قاعدہ کے ماتحت آجاتی ہے۔ اور اُن کی خرابیاں روک دی جاتی ہیں۔ قصّہ کوتاہ اسلام دُنیا میں سب سے بڑھ کر اور نہایت پکّی پرہیز گاری اور تقوےٰ پیدا کرنے والی سوسائٹی ہے۔

اس کے برخلاف یورپین تجارت کے پھیلنے کے معنے شرابخوری۔ بدیاں اور اخلاقی تنزّل کا پھیلنا ہے۔ حالانکہ اسلام اعلےٰ درجہ کی تہذیب پھیلاتا ہے۔ جس میں پڑھنا۔ لکھنا۔ خوش پوشی۔ جسمانی طہارت۔ راست بازی اور خود عزتی سبھی کچھ تو شامل ہے

اس کا اخلاقی اور مہذب اثر عجیب و غریب ہوتا ہے۔ ہم نے افریقہ پر روپیہ پانی کی طرح بہایا۔ اور سینکڑوں قیمتی جانیں اسی تگ و دو میں تلف ہوئیں۔ پھر بھی عیسائیوں کی تعداد چند ہزار سے آگے نہیں بڑھی۔ اِس کے مقابل نومسلموں کی تعداد لاکھوں سے تجاوز کر گئی۔ یہ حقیقت ہے جس کا ہم انکار نہیں کر سکتے۔ اور جو ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔ گو وہ ہمیں کتنی ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔ مگر یہ حماقت ہوگی۔ اگر ہم اُس کو نظرانداز کر دیں۔ اسلام ابراہیمی اور موسوی مذہب کا عیسوی مذہب کی چاشنی کے ساتھ ایک معجون مرکّب ہے۔ یہودیت ایک مختص بالقوم مذہب تھا۔ لیکن اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے۔ اور کسی خاص قوم سے مخصوص نہیں بلکہ تمام دُنیا کے لئے ہے۔ محمد صلعم کی تعلیم میں کوئی بات ایسی نہیں جو عیسویّت کے خلاف ہو۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے۔ کہ اسلام موسوی اور عیسوی مذہب کے بین بین ہے۔ پس اسلام جو یہودیت کی اصلاح شدہ شکل تھا۔ افریقہ اور ایشیا میں نہایت عجلت سے ساتھ پھیلا۔ اور پھیلنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ عیسائی مذہب کو اس کے افریقی اور شامی علماء نے ایک باطنی گورکھ دھندا بنا رکھا تھا۔ اُنھوں نے شہوت پرستی کا علاج تجرّد اور شادی سے پرہیز کرنے کو قرار دیا۔ ترک دُنیا کو تقدّس کی راہ گردانا گیا۔ اور راہبانہ تقدّس کا نشان میلا پن قرار پایا۔ اور عام لوگوں کی حالت یہ ہو گئی تھی۔ کہ سب کے سب عملی طور پر مشرک تھے۔ اور شہیدوں اور ولیوں اور فرشتوں کی ایک فوج کی پرستش ہوا کرتی تھی۔ اسلام ان تمام توہمات اور گندگیوں اور خرابیوں کو بہا لے گیا۔ الہیات پر عیسائیوں کی محض خیالی بحثوں کا تار و پود توڑ دیا گیا اور تجرّد کو تقوٰے کے تاج گرداننے کی لغویت کو طشت از بام کر دیا گیا۔ اسلام نے مذہب کا اصل الاصول خدا کی توحید اور تعظیم کو قرار دیا۔ اور رہبانیت کو دور کر کے اسکی جگہ انسانیت کو قائم کیا۔ غلاموں کو امیدیں دلائیں۔ انسانوں کو بھائی بھائی بنایا۔ اور فطرت انسانی کا پورا پورا لحاظ ہر امر میں رکھا۔ اسلام جو نیکیاں سکھاتا ہے۔ وہ ایسی ہیں کہ ادنےٰ طبقہ کا آدمی بھی بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ مثلاً پرہیزگاری۔ طہارت عصمت و عفت

انصاف و عدل۔ شجاعت و حوصلہ۔ احسان اور فیاضی۔ مہمان نوازی۔ راست بازی اور تسلیم و رضا۔ ہر ایک ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی چار اصلی نیکیاں سکھلایا جا سکتا ہے۔ اور سلطنت خطرناک بدیوں سے بچنے کے لیئے ہدایت کیا جا سکتا ہے۔ عیسویت کی خیالی اخوت بہت ہی اعلےٰ درجہ کی سہی۔ لیکن اسلام عملی.... اخوت سکھاتا ہے۔ جس کے معنے ہیں کہ سوسائیٹی میں تمام مسلمانوں کا یکساں ہونا یہ ایک بڑی بھاری تحریص ہے جو اسلام لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اسلام قبول کرتے ہی نومسلم کی سوشل حالت میں ایک غیر معمولی فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ فوراً پندرہ کروڑ (چالیس کروڑ۔ ایڈیٹر) برادری کا ایک ممبر ہو جاتا ہے۔ ایک نیا داخل شدہ عیسائی سوسائٹی میں برابری نہیں پا سکتا۔ مگر اسلامی برادری و اخوت ایک حقیقت ہے۔ ہم اپنے پڑھنے کی میزوں پر ہی "پیارے بھائیوں" کے لقب کو استعمال کیا کرتے ہیں۔ لیکن روزمرہ کی عملی زندگی میں اس اخوت کا کہیں نام و نشان تک نہیں ہوتا یہ ہمیں یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ بعض پہلو کے لحاظ سے اسلامی اخلاق ہمارے اخلاق سے بہتر ہیں۔ خدا کی مرضی کے آگے کامل فرمانبرداری اور تسلیم و رضا۔ اور نیز تقوےٰ و پرہیزگاری۔ سخاوت و راست بازی۔ اسلامی اخوت۔ ان سب امور میں وہ ہمارے لیئے ایک قابل تقلید نمونہ پیش کرتے ہیں۔ شراب خوری۔ قماربازی اور زناکاری جو عیسائی دنیا کی تین لعنتیں ہیں۔ اسلام نے ان کو قطعاً روک دیا ہے۔

مَہْر

(از قدوائی)

نکاح کے بعد عورت کے مالی حقوق کی حفاظت کے نہایت مستحکم ذرائع میں سے ایک مہر بھی ہے۔ اسلامی شریعت کے رُو سے کسی شادی کو جائز قرار پانے کے لیئے یہ ضروری ہے کہ مخطوب اپنی زوجہ کو شادی سے پہلے محض اس کے اپنے بلا شرکت غیرے

استعمال کے لئے کچھ رقم بطور معاوضہ نکاح ادا کرے۔ اسلامی شریعت میں اس معاوضہ نکاح کی رقم کا نام مہر ہے۔

ہر ایک قیمت والی چیز جس پر قبضہ جائز ہو سکتا ہے مہر میں محسوب ہو سکتی ہے۔

مہر کے لئے کوئی خاص حد مقرر نہیں کی گئی۔ مختلف ملکوں میں یہ مختلف ہوتا ہے اس کا انحصار زیادہ تر فریقین کی سوشل حالت اور دولت مندی پر ہوتا ہے۔ رومن قوانین میں مہر کے مقابل پر شادی کے تحائف ہؤا کرتے تھے۔ یہودی شریعت میں بھی جہیز کی شکل میں کوئی رقم دی جاتی ہے۔ لیکن چونکہ اسلام عورت کے حقوق کے متعلق ہمیشہ ہی تمام دیگر مذاہب سے بڑھ کر محتاط رہا ہے۔ اس لئے اُس نے مہر کے معاملہ میں رومن اور یہودی شریعت میں کچھ ترمیم کر کے کمزور جنس عورت کے حقوق کی کماحقہٗ نگہداشت کی۔

مہر اسلامی شادیوں کا ایک جزو لاینفک ہے۔ یہاں تک کہ اگر شادی کے وقت یا کابین نامہ میں اس کا کوئی بھی ذکر نہ ہؤا ہو۔ لیکن تب بھی اسلامی شریعت کے رو سے مہر لازمی طور پر دینا آئے گا۔

اسلامی شریعت میں یہودی شریعت کی طرح زوجہ کو مہر پر قبضہ کرنے کے لئے طلاق کا انتظار نہیں کرنا پڑتا۔

مہر اسلامی شریعت کے رُو سے ایک نہایت مفید روک طلاق یا فسخ نکاح کے لئے ہوتا ہے۔ چونکہ مہر کی کوئی حد نہیں۔ اس لئے کبھی کبھی مہر بہت زیادہ باندھا جا کر طلاق کے لئے روک ہو جاتا ہے۔

زوجہ کا جس وقت جی چاہے اپنے شوہر کی زندگی میں مہر کا دعوےٰ کر سکتی ہے یہ محض اُس کی اپنی مرضی پر منحصر ہے۔ کہ کب وہ دعوےٰ کرے۔ اگر وہ چاہے تو بلا ادائیگی مہر معجّل اپنے شوہر کے گھر میں آباد ہونے سے انکار کر سکتی ہے۔ یہ بھی عورت کی ہی مرضی پر منحصر ہے۔ کہ وہ اپنے مہر کے کسی حصّہ کو غیر معجّل قرار دیدے جس کے یہ معنے ہیں۔ کہ فسخ نکاح پر ادا کیا جائے۔

جب ایک عورت کا حق مہر پر قائم ہو جائے۔ تو وہ حق زائل نہیں ہو سکتا۔ خواہ وہ اپنے شوہر کو ہی قتل کیوں نہ کر دے۔ اس کا حق کسی کو منتقل نہیں ہو سکتا۔ لیکن وُہ اپنے شوہر کو اگر چاہے تو مہر بخش سکتی ہے۔ لیکن نکاح سے پہلے کوئی ایسا اقرار نامہ نہیں لکھا جا سکتا۔ جس کے رُو سے وُہ اپنا حق مہر چھوڑ دے۔ اگر وُہ ایسا کرے گی۔ تو ایسا اقرار نامہ قانوناً ناجائز اور بے اثر ہے۔ اور زوجہ رواج کے مُطابق مہر کی حقدار ہے۔

مہر شوہر پر ایک قرض ہے۔ جو دوسرے قرضوں کی طرح واجب الادا ہے۔ اور وصیّت کنندہ کی تمام وصایا اور ورثاء کے تمام حقوق ادا کرنے سے قبل اِس کا ادا کرنا ضروری ہے۔ جب تک کہ مہر ادا نہ ہولے جائیداد تقسیم نہیں ہو سکتی۔ اگر زوجہ زندہ ہے۔ تو وُہ خود اپنے متوفّی شوہر کی جائیداد میں سے مہر لے سکتی ہے۔ اگر وُہ مر جائے تو جسے اُس نے اپنا حق دیدیا ہے۔ یا اُس کے وکلاء اُس کی جگہ مہر وصُول کر سکتے ہیں۔

اگر مہر ادا نہ کیا گیا ہو۔ تو بیوہ کا قبضہ اپنے شوہر کی جائیداد پر سے ہٹانے کے لیئے مقدمہ نہیں چلایا جا سکتا۔

عورت کو جو بہت سی رعائتیں دی گئی ہیں۔ اُن میں سے ایک مہر بھی ہے۔ اسلامی شریعت سے بڑھ کر عورت کا حامی اور کوئی قانون نہیں +

قابل توجہ

ہم نے براہ راست تصاویر کا انتظام ولائیت سے کیا ہے۔ جو تصاویر نو مسلم بھائیوں کی اسلامک ریویو چھپتی ہیں۔ وہی یہاں چھپا کرینگی۔ قارئین کرام سمجھ سکتے ہیں۔ کہ اس انتظام نے جو محض انکے کثرت تقاضا سے کیا گیا ہے۔ زیادہ اخراجات کو چاہتا ہے۔ جسکے عوض ہم قیمت بڑھانا نہیں چاہتے۔ فقط یہی ہم چاہتے ہیں۔ کہ رسالہ کے سرپرست اسکی توسیع اشاعت میں کوشش فرمائیں۔

منیجر

پادری صاحبان کے لیئے حل طلب معمّے

نمبر (۴)

از بشیرؔ

انجیل متی باب ۱۲- آیت ۳۹-۴۰ میں لکھا ہے کہ :-

(۳۹) اس نے انھیں جواب دیا- اور کہا- کہ اس زمانہ کے بد اور حرام کار لوگ نشان ڈھونڈھتے ہیں، پر یونس نبی کے نشان کے سوا کوئی نشان انھیں دکھایا نہ جائیگا (۴۰) کیونکہ جیسا یُونس تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا- ویسا ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہے گا +

اگر مسیح کا دوبارہ جی اٹھنا صحیح ہے تو پھر اس کے مذکورہ بالا الفاظ پورے نہیں ہوتے سوال یہ ہے کہ کیا یونس ع نے وفات پائی قبل اس کے مچھلی نے اُسے نگلا- یُونس ع کی کتاب میں اسکے خلاف لکھا ہے- وہ اُس وقت زندہ تھے جبکہ مچھلی نے اُنھیں نگلا- اور وہ زندہ ہی تین دن اور تین رات پیٹ میں رہے- اور خدا کے حضور میں اُنھوں نے مخلصی کے لیئے دُعا مانگی اور زندہ نکلے- تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے- کہ یسُوع وفات پا جائے قبل اس کے کہ وہ زمین کے اندر جائے- یہ ممکن ہے کہ وُہ یُونس ع کی طرح بے ہوش ہو جائے لیکن صلیب پر وُہ مر نہیں سکتا- ورنہ یُونس نبی کا نشان دیا جانا غلط ٹھیرتا ہے-

جس طرح یونس تین دن اور رات مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہے- اُسی طرح ابن

آدم کو بھی تین دن اور رات زمین کے اندر زندہ رہنا چاہیئے۔ صلیب سے اس کی موت نہیں ہو سکتی۔ اگر اُس کا کلام صحیح ہے۔ جس طرح جہاز کے کپتان اور دیگر لوگوں نے یونس کو پکڑ کر سمندر میں پھینک دیا۔ اور اُن کے خیال میں وُہ موت سے بچ نہیں سکتے تھے۔ اسی طرح یسوع کے دشمنوں نے اسے صلیب پر چڑھایا تاکہ اُس کی موت میں کوئی شک نہ رہے۔ لیکن خداوند تعالٰی کے زبردست ہاتھ نے یسوع کو اُسی طرح بچایا جس طرح کہ یُونس کو بچایا تھا۔ یسوع کو صلیب پر سے زندہ ہی اُترنا چاہیئے تھا۔ خواہ بحالت غشی کیوں نہ ہو اور اُسے زندہ ہی قبر میں داخل ہونا تھا۔ اور اس میں سے زندہ ہی نکلنا

پس اگر دوبارہ جی اُٹھنے کے مسئلہ پر ایمان رکھا جائے تو پھر مسیح کے مذکورہ بالا الفاظ پُورے نہیں ہوتے پہلے چار انجیل نگار بجائے حقیقت حال لکھنے کے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ جب اس بات کا خیال کیا جاتا ہے۔ کہ وہ اس موقعہ پر حاضر نہ تھے۔ زود اعتقاد اور سادہ لوح بھی تھے۔ اور مسیح بہت تھوڑا وقت صلیب پر رہا۔ اور جب اس کا جسم چیرا گیا تو اسکا خون منجمد نہ تھا۔ اور اس کی ہڈیاں نہ توڑی گئی تھیں۔ تو صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ خدا کا کلام جس کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے۔ لفظاً لفظاً پُورا ہُوا۔ اور مسیح صلیب پر نہیں مرا۔

ضروری اطلاع

ہم اپنے ناظرین رسالہ کو مطلع کرتے ہیں۔ کہ یہاں سے رسالہ اشاعت اسلام ہر ایک خریدار کے نام ہر ماہ باقاعدہ جاتا ہے۔ لیکن پھر بھی کہیں نہ کہیں سے شکایات رسالہ کے نہ پہنچنے کی موصول ہوتی رہتی ہیں۔ اس لیئے ہم اپنے قارئین کرام سے ملتجی ہیں۔ کہ جس وقت کسی خریدار کو کوئی خاص نمبر موصول نہ ہو۔ ہمیں فوراً بذریعہ کارڈ ہذا مطلع فرماکر نمبر مطلوبہ منگوالیں۔ بعد ازاں ہم خود ڈاکخانہ میں اس کی تفتیش کریں گے۔ یہ بھی اکثر مشاہدہ میں آیا ہے۔ کہ پوسٹ مین بسا اوقات رسالہ کے پہنچانے میں تساہل سے کام لیتے ہیں۔ اس لیئے ناظرین اپنے اپنے حلقہ کے پوسٹ مینوں کو تاکید مزید فرمائیں۔ تاکہ رسالہ وقت پر پہنچا دیا کریں۔

منیجر

۲۔ وما قتلوہ وما صلبوہ

تصنیفات حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری

(۱) براہین نیرہ حصہ اوّل المعروف بہ قرآن ایک خاتم اور عالمگیر الہام - اردو قیمت .. (۱۰)

(۲) ام الالسنہ یعنی عربی مبین کل زبانوں کی ماں ہے .. .. // .. .. // .. .. (۱۲)

(۳) اسوہ حسنہ الموسوم بہ "زندہ اور کامل نبی" .. .. // .. .. // .. .. (۴)

(۴) احادیث نبوی کا اقتباس .. .. انگریزی .. .. (۲)

مسلم پریئر .. .. (۴)

صحیفہ آصفیہ تبلیغ بنام بحضور نظام حیدر آباد دکن .. .. اردو .. .. (۲)

بنگال کی دلجوئی - انگریزی و اردو ہر دو ایک آنہ کے ٹکٹ آنے پر .. .. مفت

مسلم مشنری کے ولایتی لکچروں کا سلسلہ // .. .. // .. .. // .. .. // .. .. //

مسلم اٹیچیوڈ ٹورڈ گورنمنٹ انگریزی .. // .. .. // .. .. // .. .. //

کرشن اوتار .. .. // اردو .. // .. .. // .. .. // .. .. //

پیغام صلح .. .. .. // .. .. // .. .. // .. .. // .. .. //

اسلامک ریویو و مسلم انڈیا .. جلد ۱ ۱۹۱۳ء .. .. انگریزی قیمت (صہ)

// .. .. // .. .. جلد ۲ ۱۹۱۴ء .. .. // .. .. (اعہ)

رسالہ اشاعت اسلام اردو ترجمہ اسلامک ریویو کے سابقہ پرچے جولائی ۱۹۱۴ء تا غایت دسمبر ۱۹۱۴ء (۸ عہ)

ویسٹرن اویکننگ ٹو اسلام مصنفہ لارڈ ہیڈلے صاحب بالقابہ نو مسلم انگریزی (۱۲)

قرآن کریم کے تفسیری نوٹ پارہ اوّل - مرتبہ حضرت مولوی محمد علیؒ صاحب ایم - اے - اردو (۶)

حدوث مادہ .. .. // .. .. // .. .. // (۴)

ملنے کا پتہ

منیجر اشاعت اسلام - عزیز منزل - نولکھا - لاہور احمدیہ بلڈنگس

نوٹ :- ۱-۲-۳-۴ ناظرین کرام ان کتب کو اپنے حلقۂ اثر میں اور غیر مسلم احباب میں خصوصاً تقسیم فرما کر ثواب دارین حاصل کریں ۔

منیجر

یہ تین کتابیں ہر مسلم گھر میں ہونی چاہئیں

(۱) براہین نیرہ حصہ اوّل معروف بہ زندہ و کامل الہام۔ قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۰ر

(۲) اسوۂ حسنہ۔ معروف بہ زندہ و کامل نبی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۴ر

(۳) ام الالسنہ۔ معروف بہ زندہ و کامل الہامی زبان ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۲ر

یہ ہر سہ کتابیں مصنفہ خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری ہیں جو تین خاص مضمون پر نایاب اور بے مثل کتابیں ہیں۔

یعنے کتابوں میں کتاب قرآن۔ نبیوں میں نبی محمدؐ عربی۔ زبانوں میں زبان عربی مبین یہ تین باتیں ان تین کتابوں میں علی الترتیب ثابت کی گئی ہیں +

۱۔ براہین نیرہ میں یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ قرآن ایک خاتم اور ناطق الہامی کتاب ہے جسمیں تہذیب و تمدن کے کامل قوانین موجود ہیں۔ اس ضمن میں مصنف نے ایک حکیمانہ بحث میں موجودہ تہذیب پر تنقیدی نگاہ ڈالی ہے۔ کل مذاہب دیگر کے عقائد اور اصولوں پر نہایت منطقی بحث کی گئی ہے +

۲۔ اسوہ حسنہ میں آنحضرت صلعم کا کامل نمونہ بہ حیثیت انسان کامل پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب مقبولیت عامہ حاصل کر چکی ہے۔ اس کو پڑھ کر یہ ماننے کے سوا چارہ نہیں رہتا۔ کہ محمد صلعم خاتم النبیین ہیں۔ اور اگر کوئی کامل نبی ہو سکتا ہے۔ تو آپ کی ذات پاک ہی ہے +

۳۔ ام الالسنہ بالکل جدید تصنیف ہے۔ اور جدید مضمون پر لکھی گئی ہے۔ اپنی نوع کی یہ پہلی کتاب اردو انگریزی لٹریچر میں لکھی گئی ہے۔ اس میں یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ عربی الہامی زبان ہے۔ اور کل دنیا کی زبانیں اس زبان سے نکلی ہیں۔ اور ابتداء میں سب ملکوں کے آباؤ اجداد عربی الاصل تھے۔ یہ کتابیں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں +

منیجر اشاعت اسلام۔ عزیز منزل۔ احمدیہ بلڈنگس۔ نولکھا۔ لاہور

نوٹ:۔ محصول ڈاک بذمہ خریدار ہوگا +

نوٹس:۔ خواجہ عبدالوحید صاحب معاون رسالہ اشاعت اسلام کی خدمت میں حاضر ہونیکے لیے دورہ پر نکلے ہوئے ہیں۔ تاکہ تازہ خریدار پیدا کریں۔ امید ہے ہمارے احباب انکی امداد فرمائینگے۔ منیجر